

15  
وَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِن تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَكَلِمًا مَّا نَبِيًّا



# تاریخ الامت

حصہ دوم

خلافت اشد

مصنف

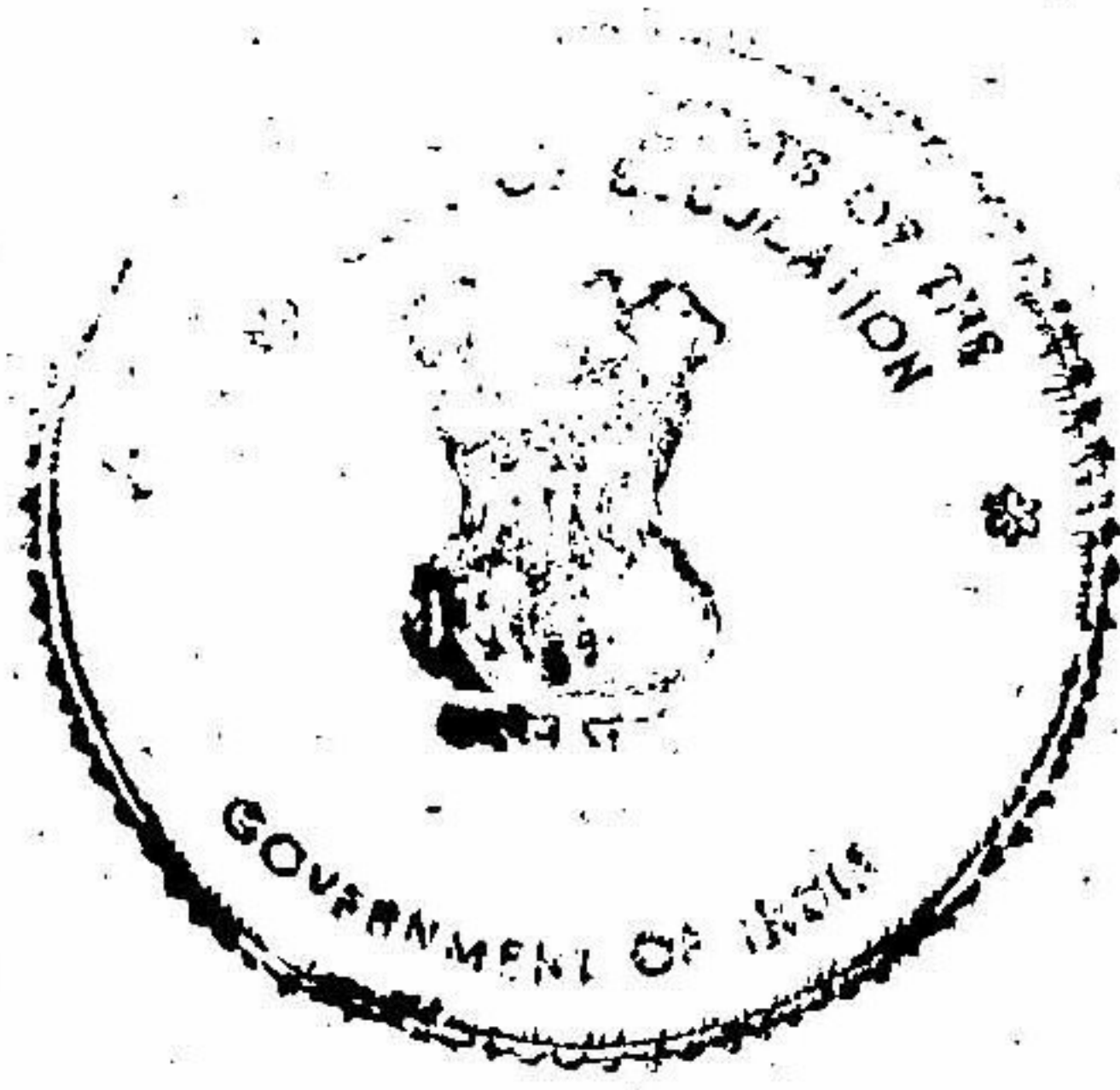
مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیر چوری  
اُستاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مکتبہ جامعہ دہلی  
مکتبہ جامعہ

قیمت

بارششم ۱۰۰

THE COURT  
THE



# تاریخ الامت

حصہ دوم

خلافت راشدہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیرا پوری استاد تاریخ اسلام

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی  
BY THE GOVERNMENT OF INDIA  
TO THE  
UNIVERSITY OF THE PANJAB, LAHORE  
WITH THE COMPLIMENTS  
OF THE  
DEPUTY HIGH COMMISSION FOR INDIA  
LAHORE 2. Jan. 1957

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

قیمت

پنچ ششم ۱۰۰۰

DATA ENTERED

۲۹۲۳۹  
۲۰۱۱

۹۸۴۳  
۲۰۱۲

۴۱۹۵۱

مطبوعہ نفاذی پریس دہلی

## فہرست مضامین تاریخ الامت حصہ دوم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷	روم	۶	خلافت
۳۹	جنگ ایران	۷	فائدان خلافت
۴۵	جنگ روم	۱۲	شکل انتخاب
۵۰	نظام داخلی	۱۸	حضرت ابو بکر رضی
۵۱	خلیفہ کا گذارہ	۱۹	سقیفہ بنی ساعدہ
۵۲	بیت ابو بکر رضی	۲۰	خطبہ خلافت
"	وفات	۲۱	ترجمہ ابو بکر رضی
"	فضائل ابو بکر رضی	۲۳	اعمال خلافت
۵۳	حضرت عمر رضی	"	جیش اسامہ رضی
۵۴	ترجمہ عمر رضی	۲۶	فتنہ ارتداد
۵۶	خطبہ خلافت	۲۸	طلیحہ
"	فتوحات	۳۰	بنی تمیم و مالک بن نویرہ
"	ایران	۳۱	سیلہ کذاب
۶۰	قادسیہ	۳۳	اسود عنسی
۶۸	مدائن	۳۶	بحرین اور حطم
۶۹	جلولاء	"	ظہور عرب
۷۱	آبادی کوفہ	"	ایران

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۶	مصر	۷۲	جزیرہ
۸۷	عہد فاروقی پر ایک نظر	"	فتح ابواز
"	فتوحات	۷۳	فارس پر حملہ
۸۹	جمہوریت	۷۴	رامہرمز و شتر
۹۱	عمال حکومت	۷۶	نہاوند
۹۳	بہی خواہی اُمت	۷۷	عام پیش قدمی
۹۴	بیت المال کی حفاظت	"	اصفہان
۹۶	بیت عمر رضی	۷۸	آذربے جان
۹۷	وفات	"	باب
۹۸	صفات عمر رضی	۷۹	خراسان
"	عمال عہد عمر رضی	"	دیگر فتوحات
۹۹	حضرت عثمان رضی	۸۰	شام
"	ترجمہ عثمان رضی	"	دمشق
۱۰۴	خطبہ خلافت	۸۱	مرج روم
"	پہلا مقدمہ	"	حمص
۱۰۵	فتوحات	"	قفسرین
۱۰۹	فتنہ داخلیہ	۸۲	قیاریہ
۱۱۰	کوفہ	"	اجنادین
۱۱۲	بصرہ	۸۳	بیت المقدس
۱۱۳	عبداللہ بن سبا	۸۴	طاعون عمواس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۵	قتل	۱۱۴	مصر
۱۶۶	بیت علیؑ	۱۱۵	شام
۱۶۷	مناقب علیؑ	۱۲۴	قتل کے اسباب
۱۶۸	اسباب مخالفت	۱۲۶	دفن عثمانؑ
۱۷۱	امام حسنؑ	۱۲۷	بیت عثمانؑ
۱۷۲	خلافت راشدہ میں مدینیت	"	ماثر عثمانؑ
"	اسلام	"	عمال عہد عثمانؑ
"	خلافت	۱۲۹	حضرت علیؑ
۱۷۴	صیغہ قضا	"	انتخاب
۱۷۶	فوج	۱۳۰	ترجمہ علیؑ
۱۷۸	محاصل	۱۳۱	خطبہ خلافت
۱۸۱	نماز	۱۳۲	پہلا کام
"	حج	۱۳۴	شورش عام
"	رفاہ عام	۱۳۸	واقعہ جمل
۱۸۳	تعلیم	"	جنگ صفین
"	سکہ	۱۵۰	تالیثی نامہ
۱۸۴	اشاعت اسلام	۱۵۲	خوارج
		۱۵۵	فیصلہ تالیثی
		۱۵۸	نتیجہ فیصلہ
		۱۶۴	ابن ماجہ

# تاریخ الامت

## حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے متعلق دو قسم کے فرائض تھے۔  
 (۱) رسالت کے فرائض۔ یعنی احکام الہی کی تبلیغ جس کیلئے آپ من جانب اللہ مامور تھے۔  
 (۲) امامت کے فرائض۔ یعنی نظام ملت کی شیرازہ بندی۔ امت کے تنازعات کا فیصلہ۔  
 جنگ اور صلح میں اس کی قائم مقامی وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ مہیٹا وحی اور ہادی شرع کے  
 ہوتے ہوئے دوسرا کون امام ہو سکتا تھا۔

ان دونوں فرائض میں سے پہلا فرض آپ کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ کیونکہ نبوت کا  
 دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں رہا کہ شرع میں ایک ذرہ بھی اضافہ کر سکے بجز اس کے  
 کہ انہیں اصول اور قواعد سے جو شریعت کے ہیں مسائل کا استنباط کرے۔ یہ کام علماء اور فقہاء  
 امت کے حصہ میں آیا۔ اس کا نام اگر ہم خلافت تشریحی رکھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

دوسرا فرض یعنی انتظام و تدبیر مہیات ملی بدستور قائم رہا۔ تمدنی حیثیت سے امت کیلئے



اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آنحضرت کے بجائے کسی کو اپنا مرکز قرار دے کہ وہ اس فرض کو ادا کرے۔  
یہ سلاخلافت شروع سے لیکر آج تک امت میں جتنا معرکہ الاداء مختلف فیہ رہا ہے اتنا کوئی  
دوسرا مسئلہ نہیں رہا لہذا مختصراً اس کی تاریخ بیان کر دینا ضروری ہے۔

تمام بحثوں اور اختلافوں کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے۔

(۱) خلیفہ کس خاندان سے ہو۔

(۲) خلیفہ کے انتخاب کی شکل کیا ہو۔

## خاندانِ خلافت

قرآن مجید میں مطلقاً اس کا ذکر نہیں کہ خلیفہ کس خاندان اور قبیلہ سے ہو لیکن حدیث

میں یہ روایت ہے کہ

الْأَيْمَةُ مِنْ قُرَيْشٍ

امام قریش میں سے ہوں گے

اسی کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ تمہارے اوپر اگر کوئی ادنیٰ حبشی غلام بھی حکمراں  
 ہو جائے تو تم اس کی فرماں برداری کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ صحابہ میں دو مختلف خیال  
 جماعتیں نظر آنے لگیں۔

(۱) خلافت کسی قبیلہ سے مخصوص نہیں ہے۔

(۲) قریش کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کے جتنے قبائل ہیں ہر ایک میں سے خلیفہ ہو سکتا ہے۔

اس دوسرے خیال کے گروہ میں بعض لوگ قریشی ہونے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے قرابتِ قریبہ رکھنے والے کو مرجح سمجھتے تھے۔

آنحضرت کی وفات کے وقت نسباً آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار حضرت عباس رضی

تھے۔ ان کے بعد ابوطالب کے دونوں بیٹے یعنی حضرت علی اور عقیل رضی اللہ عنہما۔

ان میں سے حضرت علی کو یہ امتیاز تھا کہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور تمام غزوات

میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے نیز حضرت فاطمہؑ ہر اسیجا نہ رسول انکی زوجیت میں تھیں اور حضرت عباسؑ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اگر حق وراثت ہوتا تو وہی آنحضرتؐ کے عصبہ ہو سکتے تھے۔

پہلا خیال یعنی عدم تخصیص کی رائے الفجار کی تھی جو چاہتے تھے کہ خود اپنے ہی قبائل میں سے کسی کو آنحضرتؐ کا قائم مقام منتخب کریں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خدمت کی۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور آنحضرتؐ کی ابداد میں جان و مال و اولاد کو بے دریغ صرف کیا لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم میں سے خلیفہ ہو۔

دوسرا خیال یعنی خلافت کی تخصیص قریش کے ساتھ جمہور کا تھا۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے "الاہتہ من قریش" مجمع عام میں فرما دیا جس کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ قرابتِ قریبہ کی تخصیص حضرت علیؓ اور ان کے طرفداروں کی رائے تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو غالب سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود جب اپنی بیعت کے متعلق حضرت ابو بکرؓ سے گفتگو کی تو اس خیال کو ظاہر بھی کیا۔ لیکن چونکہ اس وقت باتفاق صحابہ حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب عمل میں آ گیا تھا اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں کی۔

یہ رائے اگرچہ اس وقت تو دُب گئی لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں پھر اُبھر آئی۔ جا بجا اسلامی مرکزوں میں اس کے محرک پیدا ہو گئے۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ انہوں نے عوام کو برا نیگنہ کرنا شروع کیا کہ یہ کہاں سے رولہ ہے کہ رسالتاب کا قریبی رشتہ دار محروم رہے اور دوسرے لوگ خلیفہ بنائے جائیں۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو اطراف و دیار سے اس خیال کے لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ میں قتل کر ڈالا۔ اور حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیا۔

لیکن ان کو سخت دشواری کا سامنا ہوا کیونکہ امت کا تقریباً نصف حصہ جو اس تحریک کے اثر سے پاک تھا ملک شام سے آکر ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا بہت قتل و خونریزی کے بعد آخر میں عدم تخصیص قرابت کی رائے غالب آئی اور امیر معاویہ بن ابی سفیان جو بنی ہاشم سے

بھی نہ تھے خلیفہ ہو گئے۔

گو قوت اور سیاست کے زور سے خلافت بنی امیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور تخصیص قرابت کی تحریک بظاہر دب گئی لیکن اس جماعت کے لوگوں کے دلوں میں یہ مادہ اس طرح اندر ہی اندر جوش مارتا رہا کہ آئندہ جب کبھی کوئی برق امید چمکی تو بھڑک اٹھا۔

حضرت علی کی اولاد سمجھتی تھی کہ خلافت بہرا حق ہے جو کوئی اس کو ہم سے چھینے وہ ظالم اور غاصب ہے اور ان کے شیعہ اس آرزو میں رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے اس حق کو پا جائیں اس لئے یکے بعد دیگرے ان کو خلفاء وقت کے مقابلہ کے لئے اٹھاتے رہتے تھے۔ اور نتیجہ سوائے قتل و عذاب اور تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

مگر اس سختی سے ان کے دلوں میں کینہ کا جوش اور بھڑکتا تھا۔ وہ ان مظالم کو بیان کر کے لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف برا بھلا بگھڑتے تھے۔ انہوں نے زیادہ تر واقعہ کربلا سے اس میں مدد لی۔ درد انگیز اشعار میں امام حسین اور ان کے قافلہ کی مصیبت پیاس کی تکلیف اور شدت۔ اہل بیت کی گرفتاری کا حال لوگوں کو سنا سنا کر ان کے دلوں میں رقت پیدا کرتے تھے کہ لوگ بنی امیہ سے متنفر ہو کر اس کوشش میں ان کا ساتھ دیں تاکہ خلافت ان لوگوں کو دلائی جاسکے جو اس کے مستحق ہیں۔

ادھر بنی عباس بھی اپنے کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت علی کی اولاد کے مقابلہ میں ان کو کون خاطر میں لاسکتا تھا۔

جس وقت ابو ہاشم بن محمد بن علی نے وفات پائی اور اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا اس وقت بنی عباس نے کہا کہ وہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنا گئے ہیں۔ اس بنا پر شیعہ کے ایک فرقہ کیسانیہ نے بنی عباس کا ساتھ دے دیا۔ اب بنی عباس نے یہ دعویٰ بھی کرنا شروع کیا کہ حضرت عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انکی موجودگی میں حضرت علی کو جو چچا کے بیٹے تھے حق وراثت نہیں پہنچ سکتا۔

بنی عباس نے اس تحریک کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ امت میں پھیلانا شروع کیا ان کے خاص دعاۃ تھے جو بڑی مہارت کے ساتھ مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے تھے۔ آخر میں سب سے بڑھ کر ان کو ابو مسلم خراسانی مل گیا جس نے بنی امیہ کے تحت خلافت کو الٹ کر عباسی خلافت قائم کر دی۔

عباسیوں کے عہد میں حضرت علی کی اولاد پر اس سے بھی زیادہ مصیبت آئی جس قدر ان کے مخالفین بنی امیہ کے عہد میں تھی۔ ان کے درباروں میں کسی شخص کے اوپر اس ہمت کا لگ جانا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے اس کے اتلاف نفس اور ضبطی جائداد کے لئے کافی ہوتا تھا۔ خاص کر منصور ہارون اور متوکل کے عہد میں چنانچہ بعض بعض امراء و وزراء اور علماء کے ساتھ عملاً یہی وقوع میں آیا۔

لیکن یہ تمام سختیاں شیعہ کے اس خیال کو مٹانہ سکیں کہ صرف اہل بیت ہی خلافت کے حقدار ہیں اور اس وقت عنان خلافت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہ ظالم اور غاصب ہیں۔ چنانچہ بنی امیہ کی طرح وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابلہ میں بھی انہیں سے لوگ اٹھتے رہے اور نتیجہ وہی تباہی اور بربادی ہوتا تھا۔

اس تشدد اور مصیبت میں اہل بیت کے بعض افراد کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دور دست ممالک میں نکل جائیں تاکہ عباسیوں کے دسترس سے باہر رہ کر ان کے قابو میں نہ آسکیں چنانچہ پہلے ان کے دعاۃ اور پھر وہ خود افریقہ میں چلے گئے اور وہاں انہوں نے ادریسی سلطنت اور پھر فاطمی خلافت قائم کی۔

دعویداران خلافت کی اس باہمی کش مکش سے نظام ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور بجائے اس کے کہ تمام امت کی ایک خلافت ہوتی ایک ہی زمانہ میں تین خلافتیں قائم ہو گئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں۔

(۱) بغداد کی خلافت عباسیہ

(۲) قاہرہ کی خلافت فاطمیہ

(۳) اندلس کی خلافت امویہ

گو افریقیہ میں فاطمی خلافت قائم ہو جانے کے بعد حضرت علی کی اولاد جو مشرق میں رہ گئی تھی، خاموش ہو گئی اور انہیں سے کوئی خلفاء عباسیہ کے مقابلہ کیلئے نہیں اٹھا لیکن اندرونی طور پر وہ اور ان کے شیعوں اس خلافت کے اسی طرح مخالف رہے جیسے پہلے تھے چنانچہ آخر میں جہاں عباسی خلافت کی تباہی کے بہت سے اسباب ہوئے وہاں ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خلیفہ معتمد باللہ کے وزیر ابن علقمی نے جو ایک عالی شیعہ تھا ہلاکو کو بغداد میں بلایا۔ اور اس کے آنے میں مدد دی۔

خلافت بغداد کی تباہی کے بعد ایک شخص سید احمد جو اپنے آپ کو عباسی کہتا تھا بھاگ کر مصر چلا گیا۔ وہاں فاطمیوں کی خلافت مٹ چکی تھی سلطان مصر النظار ہر بائیس بند قداری نے اسی کو خلیفہ بنا کر اپنے لئے اس سے حکومت کا عہد لے لیا۔

ایک مدت تک مصر میں انھیں بقایا بنی عباس میں سے وظیفہ خوار خلفاء ہوتے رہے جن کا عزل و نصب خود وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

۹۲۳ء میں جب سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کیا تو وہاں کی حکومت کیسا تھ خلافت بھی کشانیوں کے ہاتھ میں آگئی۔

### شکل انتخاب

قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب کی کوئی شکل صریحی طور پر نہیں بتائی گئی ہے۔ بعض عام احکام ہیں جو خلافت اور غیر خلافت دونوں کو شامل ہیں۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ  
وہ باہمی مشورہ سے اپنا کام کرتے ہیں

حدیثوں میں بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں بنایا گیا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کا نظام خود امت پر چھوڑ دیا کہ زمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے اپنے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اس کے مطابق عملدرآمد کرے ورنہ نماز

اور وضو وغیرہ دیگر مسائل کی طرح اس کی بھی تصریح کر دی ہوتی۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ امت نے اس مسئلہ انتخاب میں کیا رویہ اختیار کیا۔

(۱) پہلا طریقہ انتخاب کا وہ تھا جو حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے موقع پر پیش آیا کہ رؤسائے

امت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور بختوں اور تقریروں کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن یہاں صورت یہ تھی کہ سوائے سعد بن عبادہ کے جو رئیس الانصار تھے قریش میں سے کوئی خلافت کا دعویٰ نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ کی ذات صحابہ میں اس قدر ممتاز تھی کہ ان کی نفیلت کے سب لوگ معترف تھے چنانچہ باوجود اس کے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ عمر بن خطاب یا ابو عبیدہ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو لیکن خود حضرت عمرؓ اور ان کے بعد اور سب لوگوں نے انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲) دوسرا طریقہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں سے مشورہ لیکر

ان کی ولی ہدی کا فرمان لکھوا دیا۔

(۳) تیسرا طریقہ وہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے موقع پر عمل میں آیا یعنی جب حضرت عمر کو اپنی موت کا احساس ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ میں اگر امت کو بلا خلیفہ کے چھوڑ جاتا ہوں تو ممکن ہے کہ اس میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ اس لئے چاہا کہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیں مگر ان کی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ اسکو خلیفہ بنا کر ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی امور امت کی ذمہ داری اپنے سر لیں اس لئے بڑے بڑے چھ صحابہ کو جان کی رائے میں خلافت کے مستحق تھے نامزد کیا اور یہ حکم دیا کہ میری موت کے بعد یہ لوگ جمع ہو کر تین دن کے اندر اندر خود اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں۔

اس انتخاب کے غرض یہ تھی کہ جو لوگ خلافت کے دعویٰ کر سکتے ہیں وہ سب ایک رائے پر متفق ہو جائیں تاکہ امت میں نزاع نہ پیدا ہو۔

ان تینوں طریقوں میں سے پہلے طریقہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حق انتخاب کن لوگوں کو

حاصل ہے۔ ساری امت کو یا مخصوص افراد کو بچرہ مخصوص افراد کو ن لوگ ہیں؟ عمال سلطنت امراء لشکر  
یار و سارا امت؟ اس لئے خلافت کے دعویدار کو تاویل کا بہت موقع مل سکتا ہے۔

دوسرے طریقہ میں اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ خلیفہ ایسے ہی شخص کو منتخب کرے جو  
واقعی خلافت کے قابل ہو کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح ہر ایک خلیفہ کو ولیعہدی کیلئے عمر تو نہیں مل سکتے۔  
یہ سب طریقہ بھی تقریباً دوسرے ہی طریقہ کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے میں ایک  
شخص معین ہے۔ دوسرے میں چند محدود افراد میں سے ایک شخص غیر معین۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اختلاف رونما ہوا۔ ان کے نزدیک اہل  
مدینہ کی بیعت ان کی خلافت کے انعقاد کے لئے کافی تھی لیکن امیر معاویہ نے اسکو تسلیم نہیں کیا  
وہ تمام امت خالص اعیان قریش امراء لشکر و الیاء صوبجات کی شرکت اس میں ضروری سمجھتے تھے۔  
آخر کار دونوں قوتیں صفین کے میدان میں آکر ٹکرائیں اور جب لڑائی نے فریقین کو خستہ کر دیا  
تو ہر ایک نے اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ کا تصفیہ قرآن کی رو سے کریں۔

اس کا نتیجہ امت کے حق میں اور ہوا۔ کیونکہ اس سے ایک تیسرا گروہ خوارج کا پیدا ہو گیا جو  
سابقہ دونوں جماعتوں کے برخلاف تھا۔ اس نے علی الاعلان پکارا کہ لا حکم الا للہ  
اور خود اپنی الگ جماعت بنالی اور اپنے تمام مخالفین کو کفار قرار دیکر ان کی جان و مال  
کو حلال سمجھنے لگے اور ایک جہاد عام شروع کر دیا۔

چونکہ انہوں نے اپنے لئے خاص اصول اور حدود مقرر نہیں کئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں  
بھی باہم مخالفیتیں پیدا ہوئیں اور ان کے متعدد فرقے بن گئے۔ امت اپنی پوری قوت کے ساتھ  
ان کی شورش کے مقابلہ کیلئے تیار ہوئی اور آخر کار بڑی بڑی خونریز جنگوں کے بعد بلا اس کے  
کہ ان سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا یا وہ خود کوئی نفع اٹھاتے تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہ خلیفہ ہوئے۔ انہیں سے بنی امیہ کی خلافت شروع ہوئی۔  
بنی امیہ نے ولیعہدی کا وہی دستور رکھا جس پر حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا تھا لیکن فرق یہ تھا کہ

انہوں نے حضرت عمر کو اپنا ولیعہد بنایا تھا جو نہ ان کے ہم قبیلہ تھے اور نہ رشتہ دار۔ اور بنی امیہ اپنے قرابت مندوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولیعہد بناتے رہے بلکہ کبھی کبھی ایک کے بجائے یکے بعد دیگرے دو ولیعہد مقرر کر دیتے تھے جو اد بھی فساد کا موجب ہوتا تھا۔

اس طرز انتخاب سے خلافت کی جمہوریت مٹ گئی۔ اور وہ بھی ایک قسم کی خاندانی سلطنت ہو گئی۔ بنی امیہ کے بعد بنی عباس میں بھی ولیعہدی کا دستور یہی رہا لیکن معصم کے بعد سے یہ بھی مفقود ہو گیا۔ کیونکہ خلیفہ اپنے عجمی غلاموں کے ہاتھوں میں اس قدر بے بس ہوتا تھا کہ اکثر تخت خلافت سے قبر کے تختے کے نیچے پہنچا دیا جاتا تھا اور پھر وہی نام کے اہل حل و عقد جمع ہو کر جس کو چاہتے تھے خلیفہ بنا لیتے تھے۔

مستند کے عہد سے یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ خلیفہ کو ادنیٰ ادنیٰ ضروریات کی چیزیں بھی مشکل سے میسر ہوتی تھیں۔ اور مستقی اور مستکفی کے عہد میں جب آل بویہ کا تسلط ہو گیا تو خلیفہ عباسی صرف ایک ذی نہیں رہ گیا اس کی ملکی اور سیاسی حیثیت بجز اس کے کہ خطبوں میں اس کا نام پکارا جاتا تھا باقی نہیں رہی۔ اگر جمہور کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے تو یہ نام کی خلافت بھی بنی عباس کے ہاتھوں میں باقی نہ رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد سلطان مصر نے خود خلافت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ بغداد سے جو شخص بھاگ کر اس کے یہاں گیا تھا اسی کو عباسی خاندان کا نائب کر کے خلیفہ بنا لیا۔ تاکہ خلافت کے سایہ میں اسکی سلطنت کو مذہبی اور مرکزی عظمت حاصل ہو جائے۔

۹۲۳ء میں فتح مصر کے بعد خلافت عثمانی خاندان میں آگئی اگرچہ آل عثمان میں نظام ولیعہدی یہ ہے کہ خاندان کا بڑا شخص تخت نشین ہو لیکن پھر بھی اکثر تخت نشینی میں شور و شہس ہو تی رہی ہیں اور بار بار ایسا ہوا ہے کہ سلطان جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوا ہے کہ اپنے بھائیوں کو قتل کر اے تاکہ سلطنت کا کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے۔

شیعہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ امامت صرف حضرت علی کی اولاد کا حق ہے ان



میں سے فرقہ اثنا عشریہ امام کے بڑے بیٹے کو امام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں اماموں کی ترتیب اسی طرح ہے۔ دوسرے فرقے ان سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہاں ہم کو ان اختلافات کا بیان کرنا مدنظر نہیں ہے صرف یہ کہنا ہے کہ یہ جماعت بھی کوئی متفقہ شکل اسکی متعین نہ کر سکی۔

مشکلیں نے عہد عباسی میں مسد خلافت و امامت کو عقائد میں داخل کیا۔ اور اس پر بحثیں شروع کیں۔ مدار بحث مندرجہ ذیل امور ہیں۔

(۱) کیا امام کا نصب کرنا امت کا فرض ہے؟ اور پھر یہ روایتاً ہے یا عقلاً یا ہر دو طریق پر

پہلا مذہب جمہور کا ہے دوسرا زید یہ اور اکثر معتزلہ کا۔ تیسرا بعض معتزلہ کا۔

(۲) یا خود اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ امام کو نصب فرمائے۔

یہ مذہب امامیہ اور اسماعیلیہ کا ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ امامیہ کے یہاں امام کی

ضرورت اس لئے ہے کہ قوانین شرع کی حفاظت کرے اور اسماعیلیہ کے عقیدہ میں وہ ذات و صفات الہی کا معرف ہوتا ہے۔

(۳) یا امام کی مطلق ضرورت نہیں۔

یہ مذہب خوارج کا ہے لیکن ہشام اور اس کے ہم خیال یہ کہتے ہیں کہ امن کے وقت

امام کی ضرورت ہے۔ بے امنی کے زمانہ میں نہیں۔ اور اہم اور اس کے ہم رائے اسکے برعکس فتنہ کے زمانہ میں امام کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں امن کی حالت میں اس کا وجود غیر ضروری ہے۔

(۴) امام کے لئے کیا شرائط ہیں۔

بعض شرطوں میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن بعض مختلف فیہ ہیں مثلاً جمہور کے نزدیک

قرشی ہونا شرط ہے شیعہ کے نزدیک ہاشمی ہونا ضروری ہے اور نیز یہ کہ وہ دین کے کل مسائل کا علم رکھتا ہو۔ اور بعض شیعہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی معجزہ کا ظہور ہو۔

(۵) امامت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے۔

شیعہ کے نزدیک آنحضرتؐ یا امام موجود کی نفس صریح ہونی چاہیے۔ جمہور کے نزدیک

اہل حل و عقد کا اجماع بعضوں کے نزدیک صرف دو مسلمانوں کا اتفاق کافی ہے۔

(۶) کیا ایک وقت میں کئی امام ہو سکتے ہیں؟

(۷) امام برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ؟

(۸) آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟

(۹) کیا فاضل کے ہوتے ہوئے مفسنوں کی امامت جائز ہے؟

یہ بحثیں مدرسہ کی بحثیں تھیں جن میں اگرچہ علمی لحاظ سے بعض باتیں لطیف تھیں لیکن علی حیثیت سے بیکار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ ہر ہر فریق نے اس کو اپنے عقائد کا ایک مسئلہ قرار دیا حالانکہ یہ سیاست ملیہ کا مسئلہ تھا جو جمہوری ہے اور فرقہ بندی کی دسترس سے بالاتر۔

۳ قرن صحابہ کا عمل درآمد جو امت کے لئے اصلی نمونہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے جو بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خلافت خاندانی نہیں بلکہ جمہوری ہے۔ اور یہ کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کا مشورہ ضروری ہے۔

خلافت راشدہ میں خلفاء اربعہ مختلف خاندان کے تھے۔ اور گوان کے انتخاب کی شکلیں جدا گانہ تھیں لیکن ہر ایک میں شوری جو جمہوریت کی اصل روح ہے موجود تھا۔ اور انکی حکومت کا طریقہ بھی جمہوری تھا۔ اسی خلافت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت موجود ہے۔

الْخِلاَفَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سِنَةً  
میرے بعد خلافت تین سال رہے گی۔  
ثُمَّ مَلَكَ بَعْدَ ذَلِكَ  
پھر سلطنت ہو جائے گی۔

قبیلہ قریش کی تخصیص جو حضرت ابوبکرؓ نے بیان کی تھی وہ صرف بطور ایک پیشین گوئی کے تھی۔ چنانچہ انہوں نے خود اس مجمع میں اس تخصیص کا سبب یہ ظاہر کیا کہ انصار میں سے اگر قبیلہ اوس کا کوئی شخص خلیفہ ہو جائے گا تو خزانہ رشک کریں گے اور خزانہ کا ہو جائے گا تو اوس اور اہل عرب بجز قریش کے اور کسی کی خلافت کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اس توجیہ سے علامہ ابن خلدوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خلافت کے لئے قریش کی

تخصیص کا اصلی راز یہی تھا کہ وہ عرب کے تمام قبائل میں محترم اور قوی تر تھے۔ اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہوگا تو بوجہ اس کی عظمت اور اس کے حامیوں کی قوت اور شوکت کے کوئی شخص اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔ اسی بنا پر وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا زمانہ آجائے کہ اس میں قریش کی عظمت اور عصبیت باقی نہ رہے اور وہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور اس پر جو حملے ہوں انکی مدافعت نہ کر سکے تو اس زمانہ میں ممکن ہوگا کہ خلافت غیر قریش میں جو طاقت اور شوکت رکھتے ہوں منتقل کر دی جائے کیونکہ امور شریعت اسباب اور مصالح پر مبنی ہیں اور ان کا لحاظ رکھنا ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

لیکن علامہ موصوف نے اسلامی جمہوریت کے صحیح مفہوم کو پیش نظر نہیں رکھا حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کے لئے کسی قومی اور خاندانی عصبیت کی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ تمام امت اس کی قوم اور اس کی حامی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اذن سے اذن غلام بھی تمہارا امیر بنا یا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ خود حضرت عمرؓ سے جب ولیعہد مقرر کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آج اگر ابو خدیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو اپنا جانشین بنا دیتا حالانکہ غلاموں کا کون سا خاندان ہوتا ہے اور کہاں عصبیت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظم خلیفہ کا قرشی ہونا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

اسلام نے ہر قسم کے نسبی منافق کو مٹا دیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ بزرگی کا مدار نسب پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خلافت کی تخصیص کسی ایک قبیلہ سے اسلام جائز رکھے اور جس بُت کو وہ توڑنے کے لئے آیا اسی بُت کو پھر نصب کرے قریش کی خلافت کی جو روایات ہیں ان میں صرف ان خلفاء کی پیشین گوئی ہے جو قریش میں سے ہونے والے تھے نہ کہ حکم اور خلافت اسلامیہ قطعاً جمہوری ہے۔ کیونکہ کل مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں۔

# حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

سقیفہ بنی ساعدہ

مدینہ کے انصار و شعبوں میں منقسم تھے اوس اور خزرج۔ ان میں سے خزرج کی تعداد زیادہ تھی ان کے رئیس سعد بن عبادہ تھے جن کا مکان مدینہ کے بازار کے قریب تھا اسی کے متصل نشتر کے لئے ایک سائبان بنا ہوا تھا جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کہتے تھے۔

جب سرور عالم کی وفات کا اعلان ہوا تو رُوساء انصار اسی سقیفہ میں جمع ہوئے وہ چاہتے تھے کہ اپنے قبائل میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں ان کا رجحان طبع سعد بن عبادہ کے انتخاب کی طرف تھا۔

حضرت سعد نے اس مجمع میں انصار کی خدمات اسلام بیان کر کے کہا کہ خلافت رسول بجز انصار کے اور کسی کا حق نہیں ہے۔ ان کو چاہیے کہ اس معاملہ میں کسی کی مخالفت کی پروا نہ کریں۔ مجمع سے آواز آئی کہ تم نے جو کچھ کہا درست اور بجا ہے۔

ایک انصاری نے کہا کہ اگر مہاجرین اس کو نہ مانیں اور کہیں کہ ہم پیغمبر کے ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہیں تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ اس پر ایک دوسرے انصاری نے کہا کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں گے تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور اس سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔ حضرت سعد نے اس کو سن کر کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔ یہ لوگ اسی قبیلہ و قال میں تھے کہ یہ خبر مہاجرین کو پہنچی۔ وہ لوگ عجلت کے ساتھ سقیفہ میں آگئے حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کچھ کہیں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان کو روک دیا اور خود وقار اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ پہلے مہاجرین کی تاریخ اور انکی فضیلت بیان کی۔ او جو مصائب اور تکالیف راہِ دین میں ان کو برداشت کرنی پڑیں ان کا ذکر کیا پھر انصاریوں کے آثار اور خدمات اسلام کو گنایا، امدان کا ایک ایک کارنامہ پیش کر کے انکی مدح و ثنا کی۔ اس کے

بعد فرمایا کہ :-

الائمة من قریش امام قریش سے ہوں گے  
ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔ بلا تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کئے جائیں گے۔  
جب انکی تقریر ختم ہو چکی تو انصار میں سے جناب بن منذر خزرجی کھڑے ہوئے اور کہا کہ :-

اے جماعت انصار! خلافت کو تم اپنے ہاتھ میں لو۔ سب لوگ تمہاری حمایت میں ہیں۔  
کسی کو یہ جرأت نہیں کہ تمہاری مخالفت کر سکے۔ تم اہل ثروت اور جنگ آور ہو تمہاری تعداد  
اور قوت زیادہ ہے سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔ آپس میں اختلاف نہ کرو  
ورنہ تمہاری رائے کمزور ہو جائے گی اور مقصد میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ اگر ہاجرین کو  
انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھلا ایک ساتھ دو امیر کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور گفتگو  
کے بعد جناب پھر کھڑے ہوئے اور انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

ان لوگوں کی باتیں تم ہرگز نہ مانو ورنہ یہ امامت تم سے چھین لیں گے۔

اس پر حضرت عمرؓ اور جناب میں سخت کلامی ہونے لگی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا :-  
یا معشر الانصار! سب سے پہلے دین اسلام کی نصرت تم نے کی۔ اب اسکی تخریب میں  
تم کو سبقت کرنی نہیں چاہیے۔

یہ سن کر بشیر بن سعد انصاری جو خزرج کے قبیلہ بنی زید بن مالک میں سے تھے  
کھڑے ہوئے اور کہا کہ :-

اے انصار! ہم نے جو مشرکین سے جہاد کرنے کی فنیلت اور دین میں سبقت حاصل کی  
وہ نبی کی اطاعت اور رضائے رب کے لئے تھی۔ یہ مناسب نہیں کہ اس کے سبب سے  
لوگوں پر ہم اپنا حق جتائیں اور متاع دنیا کے خواہاں ہوں۔ ہم کو ان کا اجر دینے والا  
اللہ تعالیٰ ہے دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے ان کی خلافت کی زیادہ

مستحق خود انکی قوم ہو سکتی ہے اس لئے تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور مخالفت سے باز آؤ۔  
اس تقریر کے ختم ہونے پر انصار خاموش ہو گئے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ موجود  
ہیں ان میں سے جس کو تم لوگ پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو ان دونوں حضرات نے کہا کہ :-

آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غار میں رسول اللہ کے رفیق۔ اور نماز پڑھانے میں ان  
کے قائم مقام رہے۔ اور نماز وہ شے ہے جو امور دین میں سب سے افضل ہے۔ ایسا کون  
شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ بڑھے اور صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر ابو عبیدہ اور بشیر بن سعد نے  
جب یہ خبر باہر پہنچی تو لوگ دوڑے اور بیعت کی۔ حضرت علی اور چند دیگر صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے خلافت کی اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت  
علی نے اس کے بعد بھی چھ مہینہ تک بیعت نہیں کی۔ جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں  
نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے مکان پر بلا یا اور کہا کہ آپ کی فضیلت اور استحقاق خلافت سے ہم کو  
انکار نہیں ہے لیکن بوجہ رسول اللہ کی قرابت کے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ  
نے فرمایا کہ رسول اللہ کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک مجھے اپنے قرابت مندوں کی بہ نسبت  
زیادہ عزیز ہے۔ اس کے بعد حضرت علی نے مسجد میں آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

### خطبہ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔  
اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ :-

لوگو! قسم ہے اللہ کی نہ میں امامت کا کبھی خواہاں تھا نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی  
اور نہ میں نے کبھی پہنا یا آشکارا اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی  
فتنہ نہ برپا ہو جائے اس لئے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ورنہ مجھے امارت  
میں کوئی راحت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت

کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور بلا امداد الہی اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔  
کاش آج میرے بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت  
رکھتا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھا کام کروں تو  
مجھے مدد دو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرو۔

تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلا دوں۔ اور  
تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اس سے حق لے  
لوں جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور  
اگر ان کے خلاف چلوں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔

ترجمہ ابو بکرؓ

ان کا نام جاہلیت میں عبد اللعنبہ تھا اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو بدل کر  
عبداللہ کر دیا صدیق اور عتیق لقب ہیں اور ابو بکر کنیت ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ باپ کا  
نام ابو قحافہ تھا جو قریش کی شاخ بنی تیم میں سے تھے ان کی والدہ ام الخیر بھی بنی تیم میں سے  
تھیں۔ یہ دونوں مسلمان ہوئے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی خصوصیت ہے کہ وہ اوانک کے والد ابو قحافہ  
اور بیٹے عبدالرحمن اور پوتے محمد بن عبدالرحمن چار پشیں صحابی ہیں۔

ان کی ولادت آنحضرتؐ کے دو یا ڈھائی سال بعد ہوئی۔ نوجوانی ہی کے زمانہ سے  
ان کے اخلاق پسندیدہ اور خصائل شریفانہ تھے۔ صاحب دولت تھے غریبوں اور محتاجوں کا  
بار اٹھاتے تھے۔ اور قریش میں محبوب اور ہر دل عزیز تھے۔

ابتدائی سے آنحضرتؐ کے ساتھی اور مصاحب تھے۔ اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت  
عطا فرمائی تو سب سے پہلے جس شخص نے اس کو قبول کیا وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے چنانچہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام کو پیش  
کیا اس میں اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ تھپک ضرور دیکھی بجز ابو بکر کے کہ انھوں نے بلا تردد

اس کو تسلیم کر لیا۔

ایمان لانے کے بعد دعوت اسلام میں آنحضرتؐ کو ان سے عظیم الشان مدد ملی اور اکثر بڑے بڑے صحابہ جن کے کارنامے تاریخ اسلام میں بہت نمایاں ہیں انہی کے اثنے مسلمان ہوئے۔ انہوں نے دین پاک کی حمایت، اللہ کی رضا جوئی اور نبی کی امداد میں اپنا بہت سا مال صرف کر دیا جو غلام مسلمان ہو جاتے تھے اور ان کے سنگدل آقا ان پر سختیاں کرتے تھے ان میں سے اکثروں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

جب مشرکین مکہ کی لیزاؤں سے تنگ کر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ کو جانے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ بھی روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنه نے روکا اور کہا کہ اگر تمہاری قوم دشمن ہے تو میں تم کو پناہ دیتا ہوں۔

تم مکہ کو لوٹ چلو۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آیا۔ قریش کے سرداروں کو ملامت کی اور کہا کہ ایسا شخص جو محتاجوں کو کھلاتا اور غریبوں کی مہاں نوازی اور مصیبت زدوں کی دستگیری کرتا ہے اس کو تم لوگ ستاتے ہو اور گھر سے نکالتے ہو؟ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے اور وہ اپنے گھر میں رہیں گے۔ قریش نے ابن الدغنه کی بات مان لی لیکن یہ کہا کہ یہ اپنے گھر میں رہیں اور مخفی طور پر جس طرح چاہیں عبادت کریں۔

کچھ دنوں تک اسی شرط کے ساتھ رہے اور جب اعلان کے بغیر چارہ نہ رہا تو جا کر ابن الدغنه کو اس کی پناہ واپس کی۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میرے لئے کافی ہے۔ میں راضی ہوں جو مصیبت پڑے گی اس کو برداشت کروں گا اس کے بعد مکہ میں سکونت پذیر ہے جب سرور عالم کو ہجرت کا حکم ملا اور مدینہ کو چلے تو یہی رفیق راہ ہوئے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ صحابہ میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد تمام مشاہد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے کسی میں ساتھ نہیں چھوڑا۔ جنگ تبوک میں صاحب علم ہی تھے ۹۰ھ میں آنحضرتؐ نے انہی کو امیر الحجاج بنایا۔



اور جب آپ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو بجائے اپنے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

### اعمالِ خلافت

بڑے آدمیوں میں بعض بعض خاص صفتیں ہوتی ہیں جو ان کے تمام کاموں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اور جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی صورت ان مخصوص صفات کو لئے ہوئے ذہن میں آتی ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو صفتیں خاص طور پر نمایاں ہیں پختگی عزم و رقت قلب۔

پختگی عزم کے یہ معنی ہیں کہ جو ہم پیش آئے اس میں جہاں تک ہو سکے غور و تامل کرے اور دوسرے اربابِ عقل سے رائے و مشورہ لے اور جب اس کا راستہ متعین ہو جائے تو اسپر چل پڑے پھر کوئی چیز اس کے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آئے تو وہ بھی سدا راہ نہ بن سکے یہی حالت حضرت ابوبکر کی تھی۔

ارقت اس کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل درد سے اثر پذیر ہو۔ یہاں تک کہ دوسروں کے مصائب کو بھی دیکھے تو قلب ٹھگین اور آنکھ پر نم ہو جائے۔

یہ دونوں خلق باہم ایک دوسرے کے مصلح ہیں اور بالخصوص مدبرانِ امت میں ان دونوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ رقت قلب اثر کے لحاظ سے اس کو درد مندی کے ساتھ متفکر اور متروک کرتی ہے جس کی وجہ سے معاملہ کے ہر پہلو پر اسے غائر نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ اور صدقِ عزیمت کی وجہ سے پھر اس کے قلب میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ صحیح رخ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

### جیشِ اُسامہ رضی

حضرت ابوبکر کی پختگی عزم کا نمایاں ظہور جیشِ اُسامہ کے معاملہ میں ہوا اس کی کیفیت یہ ہے کہ جنگِ موتہ میں جو شہداء میں رومیوں سے ہوئی تھی اور جس میں حضرت زید بن حارثہ و غیرہ شہید ہوئے تھے اس کے انتقام کے لئے آنحضرتؐ نے مرض الموت سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا۔ اور اس کا سردار اُسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔

جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے رک گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد ہی سے قبائل عرب کے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہوئیں لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نو مسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے۔ یہ فوج باہر نہ بھیجی جائے بلکہ یہیں رکھی جائے کہ بروقت ضرورت کام دے۔ انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے مشورہ کو مان لیا ہوتا اور اس فوج کو بھیجتے تو حکم رسول کی مخالفت کا پہلا تخم امت میں پڑ جاتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھیجنے کا قطعی حکم دے دیا تھا۔ اور انتقال سے پہلے بار بار زبان مبارک سے اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ صحابہ کرام نے ہر چند ان سے کہا کہ اس لشکر میں مسلمانوں کے منتخب اشخاص ہیں۔ اور قبائل عرب کی حالت نظر کے سامنے ہے۔ ایسی صورت میں جمعیت متفرق کرنا مناسب نہیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا:۔

قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے جھکو پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ اور خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہ جائے پھر بھی اس کو روانہ کئے بغیر نہیں رہوں گا۔

حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے جو آنحضرتؐ کے غلام مشہور تھے۔ علاوہ بریں تو عمر آدمی تھے۔ ان کا سن اس وقت سترہ سال کا تھا۔ انصار کی طرف سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آکر کہا کہ اگر آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی شریف النسل اور سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر فرمائیے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی بکڑ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے۔ میں ان کو برطرف کر دوں؟

اس کے بعد خود اس فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے حضرت اسامہ گھوڑے پر تھے خلیفہ ان کے رکاب میں پیدل چلے جاتے تھے۔ اور ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمن

بن عوف تھامے ہوئے تھے۔ اسامہ نے کہا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں فرمایا کہ نہیں خود سوار ہوں گا۔ نہ تم کو پادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔

یہ تعظیم اہل میں مسلمانوں کے دل سے زمانہ جاہلیت کے اس شائبہ کو دور کرنے کی غرض سے تھی جو ان میں رہ گیا تھا کہ وہ نو عمروں اور غلام زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔

اس نوح میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی مدد کے لئے مدینہ میں ان کا رہنا از بس ضروری تھا۔ اس لئے خود حضرت ابو بکرؓ نے اسامہ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو عمر کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔ اسامہ نے اجازت دے دی۔ یہ بھی امت کے لئے جمہوریت کا ایک سبق تھا۔ کیونکہ اسامہ رسول اللہ کے مقرر کئے ہوئے تھے اس لئے قلیفہ نے اس امر کو ان کے احترام کے منافی سمجھا کہ بلا ان کی منظوری کے استبداداً خود حضرت عمر کو روک لیں۔ وداع کرتے وقت حسب ذیل وصیت فرمائی۔

لوگو ذرا ٹھیر جاؤ میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو یاد رکھنا خیانت نہ کرنا۔  
 نہ مال چھپانا۔ بیوفائی سے بچنا۔ کسی کے اعضا نہ کاٹنا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو موت قتل کرنا۔ کھجوروں اور پھل لانے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ بجز کھانے کے اور کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔ تم کو وہ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لئے بیٹھے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ایسے لوگوں پر بھی تمہارا گذر ہوگا جو برتنوں میں قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے لائیں گے تم جب اس میں سے کھانا، تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جن کے سروں میں شیطان نے گھونٹا بنا رکھا ہے ان کو تلواروں سے کاٹ ڈالنا۔

اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔  
 یہ لشکر یکم ربیع الثانی ۳۳ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا۔ شام کے متصل پہنچ کر بلا وقصنا کے تخت و تاراج کیا۔ اہم چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

اس فوج کا اس وقت بھیجنا نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو غسانیوں کے مقابلہ کے لئے ایسے وقت میں فوج کس طرح بھیج سکتے۔  
قتلہ ارتداد

نجد اور یمن کے باشندے اور بعض دیگر صحرائین قبائل اگرچہ اسلام لاپکے تھے لیکن ان کے دلوں میں دین اب تک راسخ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بارہ میں فرمایا ہے۔

دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے ابھی تک تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ نُوعَمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا اسَلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ قرآن فیض اسلامی سے اب ہم کو آزادی حاصل ہو گئی۔ ان کے اوپر سب سے گراں جو چیز تھی وہ زکوٰۃ تھی چنانچہ انہوں نے اس کو روک دیا۔

اس کے علاوہ چند بدعیان نبوت بھی اٹھ کھڑے ہوئے بہت سے نو مسلم قبائل ان کے اثر میں آ گئے۔

حضرت ابو بکرؓ کے عزم صادق کا اس موقع پر بھی ظہور ہوا۔ انہوں نے ان قبائل سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی جب ہر طرف سے قبیلوں کے مرتد ہونے کی خبریں آئی شروع ہوئیں اور بعض قبائل کے فرستادے مدینہ میں پہنچ گئے اور خلیفہ سے انہوں نے درخواست کی کہ ہم سے نماز پڑھو لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو تو انہوں نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے رائے دی کہ مصالحت وقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے حضرت عمرؓ کا بھی مشورہ یہی تھا اس پر صدیق اکبر نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ۔

۱۷ عمر! جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے۔ یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر خوار ہو گئے۔  
 وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دین کامل ہو چکا۔ کیا میرے جیتے ہوئے اس میں کمی کی جاسکتی ہے؟  
 اللہ کی قسم اگر زکوٰۃ کا ایک جانور بھی کوئی قبیلہ روکے گا تو میں اس سے ضرور جہاد کروں گا۔  
 حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ کلام سُکر میرے اوپر منکشف ہو گیا کہ ابو بکرؓ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے  
 جہاد کے لئے کھول دیا ہے آخر قبائل کے جو قاصد آئے تھے وہ ناکام گئے۔  
 حضرت ابو بکرؓ جیشِ اسامہ کی واپسی کے منتظر تھے جب یہ فوج واپس آئی تو اسامہ کو  
 مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے انکی فوج کو بھی ان کے ساتھ چھوڑ دیا اور خود صحابہ کی جمعیت لے کر  
 مرتین سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ مدینہ ہی قیام فرمائیں اور یہ نفس نفیس دشمنوں  
 کے مقابلہ کے لئے نہ نکلیں۔ کیونکہ اگر آپ کی ذات کو کوئی صدمہ پہنچ جائے گا تو نظامِ امت اتر جائے گا  
 اپنی طرف سے کسی کو امیر بنا کر بھیجئے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس کو قبول نہیں کیا۔  
 پہلا پڑاؤ مقامِ ابرق میں ڈالا۔ وہاں بنی عیس سے مقابلہ اور مقاتلہ ہوا۔ وہ شکست  
 کھا کر بھاگے پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا۔ اور ان کی چراگاہیں مجاہدین کے  
 گھوڑوں کے لئے وقف کر دیں وہاں سے مدینہ میں واپس آئے۔  
 اسامہ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو چکے تھے۔ ان کو ساتھ لے کر پھر مدینہ سے نکلے،  
 اور مقامِ ذوالقصر میں جو مدینہ سے نجد کی جانب بارہ میل فاصلہ پر ہے قیام فرمایا۔ وہاں  
 گیارہ جھنڈے گیارہ امیروں کو دے کر فوج کے دستے ان میں تقسیم کر دیئے اور مختلف  
 اطراف میں ان کو روانہ کیا تفصیل یہ ہے :-  
 (۱) خالد بن ولید۔ طلحہ بن خویلد اسدی کی طرف مقامِ بزاخہ میں۔ اور جبلس کی  
 ہم سے فارغ ہو جائیں تو مقامِ بطاح میں مالک بن نویرہ پر بڑھیں۔  
 (۲) عکرمہ بن ابی بہل۔ سلیمہ کناب کی طرف۔  
 (۳) شریہیل بن حسنہ۔ عکرمہ کی امداد کے لئے۔

- (۴) مہاجر بن ابی امیہ۔ ابناء کی امداد کے لئے۔  
 (۵) حذیفہ بن محسن۔ عمان میں اہل و با کی طرف۔  
 (۶) عرفجہ بن ہرثمہ۔ اہل بہرہ کی طرف۔ ان کو اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ساتھ مل جائیں جس کے رقبہ حکومت میں دونوں ہوں وہ ہی امیر ہے۔  
 (۷) سوید بن مقرن۔ ہمامہ میں۔  
 (۸) علاء بن الحضرمی۔ بحرین۔  
 (۹) طریفہ بن حاجزہ بن سلیم اور ان کے ساتھ جو بنی ہوازن شامل ہو گئے تھے ان کی سرکوبی کے لئے۔

(۱۰) عمرو بن عاص۔ بنی قضاہ کی طرف۔

(۱۱) خالد بن سعید۔ مشارف شام۔

اس کے بعد مرتدین عرب کے نام ایک اعلان عام بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے۔  
 مجھ کو تم لوگوں میں سے ان کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو  
 چھوڑ بیٹھے انہوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور شیطان کے فریب میں  
 آگئے۔ حالانکہ وہ انسان کا دشمن ہے میں تمہارے پاس فلاں شخص کو مہاجرین اور  
 انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں وہ تم کو اللہ کی طرف بلائے گا جو اس کی بات  
 مانے گا اور نیک کام کرے گا تو اس کو نہ قتل کوئے گا نہ اس سے لڑے گا اور جو باز نہ آئے گا اس کے  
 اوپر تلوار اٹھائے گا اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا۔

میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ میرے اس نوشتہ کو تمہارے مجمع عام میں منادے۔

اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان پکاریں ان سے ہاتھ روک لیا جائے۔

امراء فوج کو بھی اسی مضمون کے مطابق ہدایتیں کیں اور پھر ان کو روانہ فرمایا۔

طلیحہ:۔ طلیحہ بنی اسد کا سردار تھا جب اس نے سردر عالم کی بیماری کی خبر سنی تو اس کو

خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی نبوت کا دعویٰ کر کے اپنا نام ملک میں روشن کرے چنانچہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ قبیلہ بنی اسد اس کے ساتھ ہو گیا۔ اور چونکہ بنی طے بھی ان کے حلیف تھے اس لئے انھوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنی عطفان کے لوگ بھی بجز چند خواص کے اس شورش میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پر طلیحہ کے پاس ایک بڑا انبوه جمع ہو گیا اور سرزمین نجد میں چشمہ بزاخہ کے اوپر ان کا اجتماع ہوا۔

مدینہ میں اس وقت حاتم کے بیٹے حضرت عدی موجود تھے وہ حضرت ابو بکرؓ سے اجازت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو سمجھایا ان کے سمجھانے سے بنی طے پھر اسلام لائے اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی فوج لے کر قریب پہنچ گئے۔ قبیلہ طے کے لوگوں نے عدی سے کہا کہ تم جا کر خالدؓ کو روک دو تاکہ ہم اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے ساتھ ہیں بزاخہ سے نکال لائیں ورنہ ہماری مخالفت کی وجہ سے وہ یا تو ان کو قتل کر ڈالے گا یا پکڑ کر رہن رکھ لے گا۔ عدی حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تین روز صبر کریں میرے قبیلہ سے انشاء اللہ پانچ سو جنگ آور اور مل جائیں گے جن سے آپ اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں حضرت خالدؓ نے انکی بات مان لی۔ بنی طے اپنے بھائیوں کو مقام بزاخہ سے امداد کے بہانہ سے بلالائے اور سب کے سب اسلام پر قائم ہو گئے۔

عدی نے یہی کوشش قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور وہاں بھی نتیجہ حسب مراد نکلا۔ ان دونوں قبیلوں کے ایک ہزار آدمی حضرت خالدؓ کی فوج کے ساتھ شامل ہوئے۔ مورخین نے حضرت عدی کی اس کوشش پر ان کو بنی طے کے بہترین فرزند کا لقب دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے اس سے اسلام کو مدد پہنچنے کے علاوہ خود ان کا قبیلہ دینی اور دنیاوی برکتوں سے مالا مال ہوا۔

حضرت خالدؓ اپنی فوجیں لے کر بزاخہ میں پہنچے اور طلیحہ کے ساتھ جنگ کر کے اس کو شکست دے دی۔ اس کی تمام جماعت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھاگ گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ہر قسم

کی ذلت و خواری اٹھا کر پھر مسلمان ہوا۔ اور مدینہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اے کاذب تیرا ہی دعویٰ تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ اللہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ سب کفر کے فتنے تھے جن کو میرے اسلام نے مٹا دیا اب آپ مجھ پر سخت گیری نہ کریں۔

بنی تمیم و مالک بن نویرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل تمیم میں متعدد امراء مقرر کئے تھے جن میں سے زبیر قان بن بدر قیس بن عاصم و کعب بن مالک اور مالک بن نویرہ بھی تھے۔ فتنہ ارتداد میں ان میں سے کوئی اسلام پر قائم رہا کوئی مرتد ہو گیا۔ کوئی مذذب تھا۔ اسی درمیان میں تمیمی قبیلہ بنی ربیع کی شاخ بنی تغلب میں سے ایک عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعویٰ کیا بنی تغلب کے نصاریٰ کی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی۔

سجاح نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرے اس نے مالک بن نویرہ کو بلایا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ بنی تمیم کے بعض قبائل تمھارے مخالف ہیں پہلے ان کو اپنے قابو میں کر لو! اس کے بعد کہیں کا ارادہ کرو۔ و کعب بن مالک بھی اس کے ساتھ ہو گئے اس نے اپنے مخالف تمیمی قبائل کے ساتھ جنگ شروع کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا آخر کار اس مہم کو چھوڑ کر مسیلہ کذاب کی طرف رخ کیا جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس نے صلح کر لی۔

اسی اثنا میں حضرت خالدؓ اپنی فوج لے کر اس طرف پہنچے۔ سجاح کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ رؤسا بنی تمیم بھی اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ان لوگوں نے مال زکوٰۃ حضرت خالدؓ کے پاس بھیج دیا مالک بن نویرہ نے نہیں بھیجا۔ اور اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ متفرق ہو جائے۔ حضرت خالدؓ جب مقام بطاح میں پہنچے اور وہاں کسی کو نہ دیکھا تو اپنی فوج کے دستے ادھر ادھر تلاش کئے لئے بھیجے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اسکے ساتھیوں کو پکڑ لایا۔ خالدؓ نے ان کو قید کیا اور پھر قتل کر ڈالا۔



بعض مسلمانوں نے جن میں حضرت ابو قتادہ بھی تھے اس قتل کو خلیفہ کے حکم کے خلاف قرار دیا۔ اس لئے کہ انھوں نے گرفتاری سے قبل ان مقتولین کو اذان دیتے سنا تھا اور اس کی شہادت بھی دی تھی۔

جس بات نے اس الزام کو اور زیادہ اہمیت دے دی وہ یہ تھی کہ خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

یہ خبر جس وقت حضرت ابو بکر کو پہنچی تو انھوں نے افسوس کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خالد کی تلوار خورینہ ہے۔ اگر یہ الزام سچ ہے تو لازم ہے کہ وہ قید کئے جائیں خالد کا جواب یہ تھا کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذان بکا دی تھی لیکن حضرت عمرؓ کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی ان کو خالد کی گرفتاری پر اصرار تھا۔ آخر حضرت ابو بکر نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ خالد پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے ایک تادیل کی اس میں ان سے غلطی ہو گئی۔ اے عمر تم خالد کے بارے میں اپنی زبان بند کرو۔ پھر خلیفہ نے خود مالک کا خون بہا ادا کیا۔

حضرت ابو قتادہ خالد سے خفا ہو کر بلا ان کی اجازت کے ان کی فوج سے نکل کر مدینہ میں چلے آئے تھے۔ چونکہ یہ امر فوجی نظام کے منافی تھا اس لئے باوجود ان کی جلالت شان اور بزرگی کے بھی حضرت ابو بکرؓ ان کے ادب برافروختہ ہوئے اور فوراً ان کو خالد کے پاس واپس بھیجا۔ بنی یربوع کی خواری کے بعد قبائل تمیم عام طور پر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور جس طرح زمانہ رسالت میں زکوٰۃ بھیجتے تھے اسی طرح دربار خلافت میں بھیجنے لگے۔

### مسئلہ کذاب

یمامہ کا قبیلہ بنی حنیفہ آنحضرت کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکا تھا۔ ان کا ذہب بھی دربار رسالت میں آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سن کر اس قبیلہ کے سردار سلیب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور یہ مشہور کیا کہ آنحضرتؐ نے خود مجھ کو اپنا شریک بنایا تھا۔ اسکی خواہش تھی کہ

نصف ملک عرب میرے قبضہ میں ہے اور نصف قریش کے مگر پھر کہتا تھا کہ قریش نام نصف قوم ہے۔  
حضرت ابو بکرؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کئے پہلی فوج کو عکرمہ  
اور دوسری کو شریحیل لیکر گئے۔ حکم دیا تھا کہ جب دونوں فوجیں جمع ہو جائیں تب بنی حنیفہ سے  
جنگ کی جائے۔ لیکن عکرمہ نے اس خیال سے کہ اس کامیابی کا سہرا میرے سر بندھے پہنچ کر اکیلے  
اپنی ہی فوج سے حملہ کر دیا۔ اور شکست کھائی۔ حضرت ابو بکرؓ اس کو سن کر بہت برہم ہوئے ان  
دونوں فوجوں کو وہاں سے دوسری طرف جانے کا حکم دیا اور خالد بن ولید کو جو بنی تمیم کی ہم  
سے فارغ ہو چکے تھے بنی حنیفہ کی طرف روانہ کیا۔

میلہ کے پاس بہت بڑی جمعیت تھی جس کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اکثر بادیہ  
نشین جو قبائل ربیعہ میں سے تھے محض قومی عصبیت کے خیال سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔  
یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض صاف طور پر کہتے تھے کہ میلہ کذاب ہے اور محمد (صلی اللہ  
علیہ وسلم) سچے ہیں۔ لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی مصر کے سچ بنی سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالدؓ جب وہاں پہنچے تو نہایت ہولناک جنگ پیش آئی بنی حنیفہ نے بڑی  
پامردی سے مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے لیکن چند پر جوش باحمیت او  
فیر تمند صحابہ کی کوشش اور بہت دلائے کی وجہ سے اسلامی فوج ثابت قدم رہ گئی اور اس  
جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ کشتوں کے پستے لگا دیئے۔ خود میلہ جو وسط فوج میں تھا مارا گیا۔  
اس کو وحشی غلام جو حضرت حمزہ کا قاتل تھا اور ایک انصاری شخص نے قتل کیا بنی حنیفہ  
شکست کھا کر بھاگے اور اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے بالآخر ان کے قائم مقام مجاہد بن  
مراہ نے حضرت خالدؓ کے پاس آکر مصالحت کی۔ صلح اس بات پر قرار پائی کہ وہ لوگ قتل  
نہ کئے جائیں صرف ان کا نقد مال اور ہتھیار ضبط کیا جائے اور جس قدر ان کے اسیران جنگ  
ہیں ان میں سے ایک چہارم لے لئے جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ کے نام ہدایت نامہ لکھا تھا کہ بنی حنیفہ کے مقاتلین قتل کر دئے

جائیں۔ یہ مکتوب معاہدہ صلح کے بعد پہنچا۔ اس لئے حضرت خالد نے اپنے ہی شرائط کو پورا کیا۔  
 بنی حنیفہ اس کے بعد ارتداد چھوڑ کر اسلام کی طرف آگئے۔ حضرت خالد نے ان میں  
 سے منتخب اشخاص کا ایک وفد بھیجا۔ حضرت ابو بکر نے ان سے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا  
 کہ اپنے کو اور نیز ہم کو اس مصیبت میں ڈالا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا  
 کہ جو اللہ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لئے نامبارک تھا۔

### اسود عنسی

آنحضرتؐ کی وفات سے پیشتر قحطانی قبیلہ کی ایک شاخ عنس کے سردار اسود نے  
 نبوت کا دعویٰ کیا۔ یمن کے دیہاتی اس کے پیرو ہو گئے اس نے ان کی مدد سے نجران پر قبضہ کر لیا وہاں  
 قبیلہ نجد کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اب وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ وہاں کے عامل  
 شہر سے لڑائی کی اور ایرانی فوج کو جو ابناہ کے نام سے مشہور تھی شکست دے دی۔ اس فتح کی وجہ  
 سے تمام یمن میں اس کی دھوم ہو گئی اور اس کے فتنہ کی آگ ہر طرف پھیل گئی۔ اہل یمن میں سے  
 کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور کچھ اس کے خوف کی وجہ سے خاموش ہو رہے۔

آنحضرتؐ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک خط ابناہ کے سرداروں کے  
 پاس بھیجا کہ دین اسلام پر قائم رہیں اور اسود کو قتل کر ڈالیں۔

اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسود اپنے لشکر کے سردار قیس بن عبد لغوث مرادی  
 سے بدگمان ہو گیا۔ قیس کو اپنی جان کا خطرہ ہوا اس لئے وہ ابناہ کے ساتھ مل گیا اور اسود  
 کے قتل کی سازش کی۔ اس میں شہر کی بیوی بھی جس کو اسود نے اس کے شوہر کے قتل کے بعد  
 جبراً اپنے نکاح میں لے لیا تھا شریک ہو گئی۔ ابناہ میں سے ایک شخص فیروز نامی نے موقع  
 پا کر رات کو اسود کے مکان میں چھپ کر اس کو اچانک قتل کر ڈالا اور جب صبح ہوئی تو  
 اس کے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اذان پکاری۔ اس طرح پر صنعاء اس فتنہ اور فساد  
 سے آزاد ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے ان تمام واقعات کی خبر آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی۔ انکا تا حدیث

میں اس صبح کو پہنچا جس کی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔  
 اسود کی ابتداءئے شورش سے اس کے قتل تک کا زمانہ تقریباً چار مہینہ تھا۔  
 جب اہل یمن کو آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو اسود عنسی کے بعض حامیوں  
 نے پھر فتنہ برپا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم ان مردوں کے مقابلہ  
 میں جھے رہو۔ ہم بہت جلد فوج بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مہاجرین امیہ لشکر لئے ہوئے  
 وہاں پہنچے اور صنعا پر قبضہ کیا۔ شورش پسندوں کے سرغنے مثلاً قیس بن عبدیوث  
 اور عمرو بن معدی کرب وغیرہ گرفتار کئے گئے۔

پھر مہاجر صنعا سے حضرموت میں قبیلہ کندہ کی طرف گئے کیونکہ وہاں کے لوگ  
 بھی مرتد ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر عکرمہ کی فوج بھی آکر ان کے ساتھ مل گئی۔ بنی کندہ  
 نے شکست کھائی۔ اور ان کا سردار اشوث بن قیس بکرا گیا۔

### بحرین اور حطم

بحرین میں عبد القیس اور بکر بن ربیعہ کے قبائل آباد تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن  
 ساوی کو ان کا والی مقرر فرمایا تھا جس مہینہ میں آپ نے وفات پائی اسی مہینہ میں منذر  
 نے بھی انتقال کیا۔ اہل بحرین مرتد ہو گئے۔

حضرت جبارود بن معالی نے جو اسلام پر ثابت قدم تھے اپنے قبیلہ عبد القیس کو جمع کیا اور  
 کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو جواب دینا اور نہ خاموش رہنا۔ میں  
 پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کی خبر ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ  
 کے انبیاء آتے رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ بیشک! حضرت جبارود نے کہا پھر وہ کہا  
 گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ گذر گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس طرح وہ لوگ گذر گئے اسی  
 طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کو چھوڑ گئے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ۔

كَلِمَةُ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ان لوگوں نے بھی ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے افضل ہیں۔ اس طرح پر قبیلہ عبد القیس بلا کسی جنگ کے اسلام پر قائم ہو گیا۔ لیکن بنی بکر کے سردار حطیم بن ضبیعہ نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کیا نیز اس نے قلیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی بہکا یا۔

حضرت عمار بن حصری خلیفہ کے حکم سے فوج لے کر وہاں پہنچے۔ ثمامہ بن اثال بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کی ایک جماعت لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حطیم مقابلہ کے لئے آیا اور شکست کھا کر مقتول ہوا۔ اس کے بعد بنی بکر راہ راست پر آ گئے۔

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مختلف اطراف میں مرتدین کے ساتھ ہوئیں اور سب میں مسلمان ہی غالب رہے۔

رودت کے ان تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو ایسا عزم راسخ اور قلب قوی عطا فرمایا تھا جو دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں بھی مشکل سے پایا جاسکتا ہے۔ ارتداد کی شورشیں جو سارے ملک میں پھیل گئی تھیں اس میں مسلمانوں کی جو حالت ہو گئی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

فتنہ ارتداد میں مسلمان بکریوں کے اس ریوڑ کے مانند تھے جو موسم زمناں کی سردرات

میں بستے ہوئے پانی میں گھر سے باہر سیا بان میں بے چوراہے کے رہ جاتے۔

لیکن پورے ایک سال کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا کہ حضرت ابو بکر نے اس فتنہ کو فرو

کر دیا۔ اس سے نہ صرف ان کے عزم راسخ کا پتہ ملتا ہے بلکہ جو نظام فوجوں کا انھوں نے

قائم کیا تھا اور جس طرح پر امراء لشکر کے ساتھ سلسلہ وار خط و کتابت رکھتے اور ان کو ہدایتیں

بھیجا کرتے تھے اس کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ہم بلا خوف تریدہ کہتے ہیں کہ اگر اماد الہی کے بعد حضرت ابو بکر کا عزم راسخ نہ ہوتا

تو مسلمانوں کی تاریخ وہ رتبہ حاصل نہ کر سکتی جو اس کو حاصل ہوا۔

## ظہور عرب

امتِ عربیہ مدتِ دراز سے اپنے جزیرہ عرب میں محصور اور اپنے ملک کے صحراؤں اور بیابانوں پر قانع تھی۔ باہمی جنگوں نے جو سلسلہ داران میں جاری رہتی تھیں ان کی قوتوں کو فنا کر رکھا تھا۔ ان کی ہمسایہ قومیں ان پر غالب آگئی تھیں۔ اور ان کے ملک کے جو زرخیز مقامات تھے ان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ گو خود بعض عربی قبائل میں بھی حکومت اور ریاست تھی۔ لیکن وہ بالاستقلال حکمراں نہیں تھے بلکہ فارس یا روم کے ماتحت تھے۔

مگر جب اسلام آیا تو اس نے انھی مغلوب عربوں سے ایک ایسی عظیم الشان امت تیار کی جس نے روم اور فارس کی قوتوں کو توڑ کر اپنی سلطنت قائم کی اور قدیمی حالت بدل دی۔ عرب کے دونوں بازوؤں پر دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں جن کی عظمت اور شوکت کے آگے زمانہ قدیم سے اہل عرب اپنے سر کو جھکاتے تھے یعنی ایران اور روم مشرقی۔

ایران

سلطنت ایران کا پایہ تخت مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ یہیں ساسانی خاندان کا بادشاہ رہا کرتا تھا۔

ساسانی سلطنت کی بنیاد اردشیر بابکان نے ڈالی تھی اس نے اس طوائف الملوکی کے بعد جو اسکندر مقدونی کی فتح اور یونانیوں کی حکومت سے پیدا ہو گئی تھی ۶۲۳ء میں پھر ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع کیا اور تمام ایرانی ممالک نیز عراق کے اد پر بھی قبضہ کر لیا اور ابوالقرب شہنشاہ رکھا۔ یہ سلطنت سلسلہ سلسلہ اسی کی اولاد میں چلی آتی تھی۔

نوشیروان کا پوتا خسرو پرویز تخت سلطنت پر تھا کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دعوتِ اسلام کے متعلق اس کے پاس گیا۔ اس نے غصہ میں اس کو جاک جاک کر ڈالا اور

اپنے زمین کے عامل کو لکھا کہ وہ اس داعی مذہب کو بکڑ کر دربار میں بھیج دے۔  
 اسی موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ اس کے بیٹے شیردیہ نے اس کو قتل کر دیا اور خود تخت  
 نشین ہوا۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ تک سلطنت نہ کر سکا اور صرف چھ مہینہ کے بعد اپنے خاندان و ملک کے  
 ساتھ بہت کچھ سختیاں کر کے فنا ہو گیا۔ پھر اس کا کم سن بچہ اردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور اس کے نام سے  
 سلطنت کے فرمان جاری ہونے لگے ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار جو رومی سرحد پر فوجیں لے  
 پڑا تھا اردشیر کی تخت نشینی کا حال سن کر مدائن میں آیا اور اس لڑکے کو قتل کر کے خود اپنے سر پر  
 تاج رکھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے امراء اور ارکان سلطنت نے اس کی  
 مخالفت کی اور متفق ہو کر اس کو مار ڈالا اور شیردیہ کی بہن بوران کو تخت نشین کیا۔ یہ صرف  
 سولہ مہینے حکمراں رہی۔ اس کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری زمانہ تھا بوران  
 کے بعد جوان شیر نے سر پر تاج رکھا لیکن ایک مہینہ بھی وہ اس کے سر پر نہ رہ سکا اس کے بعد خسرو  
 پرویز کی دوسری بیٹی آرمی دخت تخت سلطنت پر بیٹھی آخر میں شاہ یزدگرد پسر شہریار بادشاہ  
 بنایا گیا جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔

روم

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو وسعت اور قوت اور شوکت  
 کے لحاظ سے اس کی مد مقابل تھی اس کا پایہ تخت رومہ الکبریٰ تھا اور اس کے حدود  
 حکومت میں مشرقی ممالک شام، مصر اور حبش وغیرہ شامل تھے۔  
 ایک مدت کے بعد اس سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے مغربی حصہ کا مرکز بستیور رومہ  
 اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ابتدائے اسلام میں قسطنطنیہ کے تخت پر ہرقل تھا  
 جو اپنے تخت نشین ہونے سے پہلے افریقہ کا والی تھا۔ پھر قیصر فوقاس نے بغاوت کر کے اس کو قتل  
 کر ڈالا۔ اور سن ۶۱۰ء میں اس کے بجائے اپنے سر پر تاج رکھا اس کی حکومت ۶۲۱ء  
 تک رہی اسی کے زمانہ میں مسلمانوں نے ملک شام کو فتح کیا۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں میں ایک دائمی نزاع چلی آتی تھی اور شام و عراق کے میدان ان کے تنازعات کے جولانگاہ تھے۔ جہاں اکثر دونوں میں لڑائی کی آگ مشتعل رہتی تھی کبھی ایرانی غالب آجاتے تھے اور انکی سلطنت بحر روم کے سواحل تک پہنچ جاتی تھی اور کبھی رومیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اودہ دجلہ اور فرات تک قابض ہو جاتے تھے آغاز اسلام میں قیصر فخر اور نیشیرواں کی فوجوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اس میں اہل فارس کو سلسلہ وار فتوحات حاصل ہوئیں انھوں نے رومیوں کو شام سے نکال کر باسفورس کے سواحل تک دھکیل دیا اور فنیسیا اور فلسطین کو ماتحت و تاراج کر ڈالا۔ پھر ہرقل کے زمانہ میں بھی یروشلم پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بہت سے مسیحی آثار کو مٹا دیا اور صلیب مقدس چھین لائے ۶۱۲ء میں مصر پر بڑھے اور اسکندریہ تک فتح کر لیا۔ یہ فتوحات چونکہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر حاصل ہوئی تھیں اس لئے مشرکین عرب مسلمانوں کے مقابلہ میں اس پر شادیا نے بجاتے تھے سورہ روم میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اگرچہ رومی اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب آجائیں گے اور اس وقت مصلحان خوش ہوں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی صحیح ہوئی ۶۲۲ء میں ہرقل اپنے خواب غفلت سے ہوشیار ہوا اور سامان اور فوجوں کو مرتب کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا اور فتح پائی۔

ایران و روم کی یہ لڑائیاں اسی طرح جاری رہیں جب شیردیہ نے خسرو پر ویز کو قتل کر ڈالا اور ایران کی سلطنت کا مالک ہو گیا تو اس نے ۶۲۸ء میں رومیوں سے مصالحت کر لی جس قدر عیسائی قیدی اس کے پاس تھے واپس کر دئے اور صلیب مقدس بھی واپس دی۔

ہرقل کو اس کامیابی پر انتہا درجہ کا سرور اور فخر حاصل ہوا۔ اور ۶۲۹ء میں اس کا شکر یہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس میں آیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا خط بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ خط بیت المقدس ہی میں اس کو موصول ہوا۔

ابتداءئے عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔



## جنگ ایران

ایرانی جس نگاہ سے اہل عرب اور خاص کر اسلام کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ خسرو پرویز نے نامہ نبوی کو چاک چاک کر ڈالا تھا اور یمن کے عامل کو حکم دے دیا تھا کہ وہ عرب کے نبی کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دے لیکن اس درمیان میں تخت سلطنت کے متعلق جھگڑے برپا ہو گئے اور اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ علاوہ بریں وہ اپنی قوت اور شوکت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم جب چاہیں گے ان کا استیصال کر دیں گے اس وجہ سے مسلمان ایرانیوں کی طرف سے مطلق مطمئن نہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ جس وقت یہ اپنی نزاعات سے فرصت پا گئے اس وقت ہماری طرف رخ کریں گے۔

اس لئے ابو بکرؓ جب مرتدین کی ہم سے فارغ ہوئے تو اپنے سپہ سالار عظیم خالد بن ولید کو ایران پر فوج کشی کا حکم دیا اور ان کو یہ بھی تاکید کر دی کہ صرف انہی مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگ میں لے جائیں جو فتنہ ارتداد سے محفوظ رہے تھے۔

حضرت خالد کو یہ فرمان یمامہ میں موصول ہوا اسی وقت انہوں نے سرحد عراق کے فرماں روا ہرمز کو یہ خط لکھا:-

تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے۔ یا اپنی قوم کی طرف سے ذمی ہونے کا اقرار کرو اور جزیہ دینا قبول کرو۔ ورنہ سوائے اپنے پھر کسی کو ملامت نہ کرنا۔ کیونکہ میں ایک ایسی قوم کو تمہارا مقابلہ میں لانا ہوں جو اسی قدر موت کی خواہاں ہے جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو۔

اس کے بعد ہی وہ خود بھی اپنی فوجوں کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔

ہرمز کو جس وقت یہ خط ملا اس نے شہنشاہ ایران کے پاس بھیج دیا اور اپنی ساری فوجیں جمع کر کے کواظم کی طرف بڑھا یہ اس سرحد کے بدترین امراء میں سے تھا اور تمام عرب جو اس قرب و جوار میں بستے تھے اس کے سخت دشمن تھے۔

جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو خالد نے ہرمز کو میدان جنگ میں بکا لادہ مقابلہ

کے لئے آیا اور مارا گیا اس کے بعد ایرانی نہ ٹھہر سکے اور شکست کھا کر بھاگے۔

ایرانی سپاہیوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا مسلمانوں نے جب اس کو فراہم کیا تو تقریباً ایک شتر بار ہوئیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔

اس فتح کی خبر حضرت ابو بکر کو پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور ازراہِ قدر دانی ہرمز کا تاج جو ایک لاکھ درہم کا تھا حضرت خالد کو بخش دیا۔ خالد اپنی فوجوں کو وہاں سے لے کر آگے بڑھے اور اس مقام پر جہاں بعد میں بصرہ آباد کیا گیا قیام فرمایا۔

دوبارہ ایران کی طرف سے قادن کی سرکردگی میں ایک فوج ہرمز کی کمک کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھی کہ اس کو اس شکست کی خبر ملی۔ اس نے مقام بدر میں خیمے ڈال دئے۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو اسی طرف بڑھایا اور صف آرائی کی بھڑے ہی عرصہ میں ایرانی شکست کھا گئے اور ان کا سپہ سالار مارا گیا مسلمانوں نے تعاقب کیا لیکن وہ کشتیوں میں سوار ہو کر ندی سے پار اتر گئے جس قدر ایرانی اس جنگ میں قتل ہوئے ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جس وقت شہنشاہ ایران کو پہنچی تو اس نے اندر زگر کی سپہ سالاری میں ایک فوج گراں روانہ کی جب وہ مدائن سے نکلی کہ مقام دلجہ میں پہنچا تو اس کی امداد کو ایک دوسری فوج بہمن جاووس کی سرکردگی میں بھیجی۔ ایرانی فوج میں اکثر نصاریٰ عرب بھی شامل ہو گئے۔

جب خالد کو ان فوجوں کا حال معلوم ہوا تو مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن اپنے خطرات کو محفوظ رکھنے کے لئے جا بجا دستے متعین کرتے گئے۔ دلجہ میں پہنچ کر تین طرف سے ایرانیوں پر حملہ کا سامان کیا۔ پہلے ایک جانب سے خود بڑھے۔ اس کے بعد جب لڑائی کے شعلے بھڑکنے لگے تو دوسرا حصہ اور پھر تیسرا حصہ فوج کا اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ اس تدبیر سے ایرانی گھبرا گئے اور بہت جلد ہزیمت کھا کر بھاگے۔ ان کا سردار ایک طرف بدحواسی میں

نکل گیا اور پیاس کی شدت سے مر گیا۔

قبیلہ بکر کے جن عیسائی عربوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی وہ بیشتر اس لڑائی میں قتل کر دئے گئے۔ اس سے ان کے ہم قوم نصاریٰ جوش میں آ کر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بہن جادو یہ کی فوج میں جا کر مل گئے وہ انبار کے متصل الیس میں اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا خالد نے پہنچ کر اس پر حملہ کیا اور اس کی فوج کے زیادہ حصہ کو قتل کر ڈالا۔

الیس کی جنگ سے فارغ ہو کر حیرہ کا محاصرہ کیا اہل حیرہ نے یہ دیکھ کر کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے مصالحت کی خواہش کی عمرو بن عبدالمسیح اور دوسرے رؤساء نے اگر صلح کی گفتگو کی۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر مصالحت قرار پائی۔ ان لوگوں نے بہت سے تحفے اور ہڈے بھی پیش کئے۔ حضرت خالد نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ان کو جزیہ کی رقم میں شمار کر لیا اور عہد نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا:-

یہ وہ عہد ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمر سپران عدی اور عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال کے ساتھ کیا۔ نامبردگان باشندگان حیرہ کے قائم مقام اور وہاں کے رؤساء ہیں۔ قرار دیا ہے کہ وہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے ہمارے ذمہ ان کی حفاظت ہے۔ اگر ہم ان کی حفاظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں اور اگر یہ لوگ قولاً یا فعلاً بد عہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔

اہل حیرہ سے صلح ہونے کے بعد صلویانے بھی جو قس ناطف کا رئیس تھا عہد نامہ لکھ دیا۔ ایرانی مرزبانوں اور دہقانوں نے بھی جب حضرت خالد کی فتوحات اور ان کے عہد نامہ کو دیکھا اور ان کے انصاف اور برتاؤ کی خوبی کا ان کو حال معلوم ہوا تو فلاہج سے ہر مرزبورتک کے رؤساء نے آ کر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ حضرت خالد نے تحصیل خراج و جزیہ اور ملکی انتظامات کے لئے عمال مقرر کئے اور ذمیوں کے امن و امان کا پورا بندوبست کیا۔

حیرہ سے انھوں نے بادشاہ ایران کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

از جانب خالد بن ولید بنام فرمائے ایران: اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو مختل و تمہاری تدابیر کو بیکار کر کے تم کو ابتر کر دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمہارے حق میں اور زیادہ برا ہوتا۔ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ہم تم کو اور تمہاری سر زمین کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ بالآخر تم کو یہی کرنا پڑے گا۔ میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کے اسی قدر عاشق ہیں جس قدر تم زیت کے عاشق ہو۔

اس زمانہ میں اہل ایران میں تخت سلطنت کے متعلق اختلاف تھے کیونکہ شاہی خاندان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کو وہ اپنا بادشاہ بنا لیتے۔ جب حضرت خالد کا خط پہنچا تو انہوں نے اپنے جھگڑوں کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا لیا اور یہ کہا کہ جب تک ساسانی خاندان کا کوئی شخص بادشاہت کے قابل نہ ملے اس وقت تک امور سلطنت اسی کے ہاتھ میں رہیں۔

حضرت خالد جنوبی عراق کی مہم سے فارغ ہو کر شمالی عراق میں عیاض بن غنم کی امداد کے لئے روانہ ہوئے حیوہ پر قفقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے۔ جب انبار میں پہنچے تو وہاں کے باشندے قلعہ گیر ہو گئے۔ ان کا محاصرہ کیا اور ان کے اوپر تیر برسائے بالآخر انہوں نے اس بات پر مصالحت کی کہ جریدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نکل جائیں اور مع تمام مال و متاع کے قلعہ کو سلمانوں کے حوالے کر دیں۔ حضرت خالد نے اس کو منظور کر لیا۔ اس فتح کے بعد اس اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔ وہاں زبرقان بن بدر کو اپنا جانشین بنا کر عین النمر کی طرف بڑھے جہاں مہران سپر بہرام چوہیں فوج لئے پڑا تھا۔ نمر تغلب اور ایاد کے قبائل کے نصارائے عرب بھی عقبہ بن ابی عقیقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ شامل تھے۔ عقبہ نے مہران سے کہا کہ عرب عربوں کی لڑائی سے اچھی طرح واقف ہیں لہذا ہم کو خالد کے مقابلہ کے لئے جانے دو۔ اس نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لوہا لوہے کو ٹھیک کرتا ہے۔

عقبہ اپنی فوج کو لے کر حضرت خالد کے مقابلہ میں آیا۔ انہوں نے بھی صف آرائی کی اور دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ حضرت خالد نے بڑھ کر عقبہ کو گرفتار کر لیا اس کی فوج شکست کھا گئی مہران یہ دیکھ کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نصارائے عرب کی شکست خوردہ جمعیت جیب وہاں

پہنچی تو دیکھا کہ ایرانی فوج جاچکی ہے۔ مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور بلا امان دئے ہوئے ان سب کو قتل کر ڈالا۔

اس قلعہ میں چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھا کرتے تھے۔ انہی میں سے موسیٰ ابن نصیر فاتح اندلس کے باپ نصیر محمد بن سیرین کے باپ سیرین اور حمران مولیٰ عثمان وغیرہ تھے یہ اسلامی فوج میں تقسیم کئے گئے۔

یہاں خالد کو عیاض بن عنیم کا خط ملا جو شمالی عراق میں دومتہ الجندل کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کو بلا یا تھا حضرت خالد نے ان کو مندرجہ ذیل مختصر جواب لکھا:-

از جانب خالد بنام عیاض۔ میں تمہارے ہی پاس آ رہا ہوں۔

دومتہ الجندل میں نصارائے عرب کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ جب حضرت خالد کے آنے کی ان کو خبر ہوئی تو ان کے رئیس اکیدر بن عبد الملک نے ان لوگوں سے کہا کہ میں خالد کو خوب جانتا ہوں ان سے زیادہ مبارک فال اور تیز دست سپہ سالار میں نے نہیں دیکھا۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ ممکن نہیں کہ خالد کے مقابلہ میں شکست نہ کھا جائے۔ لہذا تم لوگ میری بات مانو اور ان سے صلح کر لو لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ وہ ناراض ہو کر ان کو چھوڑ کر نکلا اور اسی نکلنے میں مارا گیا۔

دومتہ الجندل کا محاصرہ ایک طرف سے عیاض نے اور دوسری طرف سے خالد نے کیا۔ مھویرین نے تنگ آ کر شکست کھائی اور سوائے بنی کلب کے جو تمیم کے حلیف تھے اور ان کو عام بن عمر و تمیمی نے امان دے دی تھی اور کسی کو قتل سے نجات نہ مل سکی۔ اس فتح کے بعد خالد حیرہ واپس چلے آئے یہاں آ کر ان کو معلوم ہوا کہ اہل عجم جمعیت فراہم کر کے پھر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دو دستے حصید اور خنافس کی طرف روانہ کئے وہاں جس قدر ایرانی جمع ہوئے تھے ان کو ان دستوں نے بھگا دیا۔ خود حضرت خالد مصبح کی طرف بڑھے وہاں عربی قبائل ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے تھے ایک ہولناک جنگ پیش آئی جس میں عنیم نے شکست پائی۔

مقام فراض میں جہاں شام عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں رومیوں ایرانیوں اور عربوں نے مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ خالد نے ایک ساتھ سب کو شکست دے دی۔ یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۲ھ میں پیش آیا۔ وہاں دس روزہ کرہ ۲۵ ذیقعدہ کو عام بن عمرو کو حکم دیا کہ وہ فوجوں کو لیکر حیرہ واپس علییں اپنے کو ظاہر کیا کہیں ساقہ پر رہوں گا۔ لیکن وہاں سے چند ساتھیوں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے اور حج کر کے حیرہ میں اس قدر جلد واپس آئے کہ ابھی تک فوج کا آخری حصہ یعنی ساقہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا چنانچہ اسی کے ساتھ ہو گئے اور بجز ان اشخاص کے جو ان کے ساتھ تھے اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حج کر آئے ہیں حضرت ابوبکر کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے خلیگی کا اظہار کیا کہ اس طرح فوج کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا۔

اس کے بعد فرمانِ خلافت ملا کہ تم شام کی طرف جاؤ اور اسلامی فوج میں جو یرموک میں ہے شریک ہو۔

حضرت خالد عراق میں ۱۴ مہینے ہے۔ ان کے ساتھ کل دس ہزار فوج تھی اور اسی قدر دیگر اسلامی امرا دشمنی وغیرہ کے ساتھ۔ اس قلیل عرصہ میں اور اس قلیل سپاہ کے ساتھ انہوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آج تک دنیا کا کوئی سپہ سالار ایسے کام نہیں کر سکا۔ یہ مقام ابلہ سے فراض تک سارا علاقہ ایران جیسی زبردست سلطنت سے چھین لیا اور ایرانیوں عربوں نیز رومیوں سے متعدد مواقع پر جنگ پیش آئی ہر ایک میں وہ فاتح رہے کسی میں بھی مغلوب نہیں ہوئے جس طرف بڑھتے تھے ان کا نام آگے آگے جاتا تھا اور فتح ساتھ ساتھ خط واپسی کو ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آسکے اور جب کسی مقام کو فتح کرتے تھے تو وہاں کی رعایا کی اصلاح معاملات وصولی خراج اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے امراء اور عمال اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے۔ کاشتکاروں اور پیشہ دروں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ ایرانی حکومت کے مقابلہ میں عربی حکومت کو زیادہ پسند کرنے لگے اور امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ جس قدر ان کا برتاؤ نرم تھا اسی قدر دشمنوں کے لئے

وہ سخت تھے جب غنیم کی فوج کو دیکھ لیتے تھے تو صبر نہیں کر سکتے تھے بلکہ فوراً حملہ کر دیتے تھے۔ اور بیشتر ان کے سرداروں سے مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اس کے بعد لڑائی زیادہ طول نہیں کھینچتی تھی۔

الغرض حضرت خالد کے کارنامے فتوحات اسلام کی تاریخ کی پیشانی کا نور ہیں۔

### جنگ روم

شام کے عنانی بادشاہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھے۔ اور انہوں نے عیسوی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشر حبیل بن عمرو عنانی کے نام دعوت اسلام کا خط حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا تو اس نے ان کو قتل کر ڈالا ان کے قصاص کیلئے شہرہ میں مدینہ سے تین ہزار فوج بھیجی گئی۔ رومی اور عنانی فوجوں سے جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم تھی مقام موتہ میں مقابلہ ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت زید بن حارث اور جعفر طیار وغیرہ شہید ہو گئے۔ آخر میں حضرت خالد اس قلیل فوج کو غنیم کے زعبہ میں سے نکال لائے اور واپس چلے آئے۔ اس کے بعد غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی قیصر روم نے بھی ان کی امداد کیلئے چالیس ہزار فوج دی آنحضرتؐ اس کی خبر پا کر تیس ہزار فوج لے کر شہرہ میں خود تہوک تشریف لے گئے۔ لیکن وہ لوگ مقابلہ کے لئے نہ آئے۔

مدینہ میں غسانیوں کی طرف سے متوحش خبریں پہنچا کرتی تھیں۔ اور ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرتؐ نے دو بارہ اللہ میں ایک لشکر ان کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور اس کا سردار اسامہ کو مقرر کیا جن کے باپ حضرت زید سر یہ موتہ میں سپہ سالار تھے اور شہید ہو گئے تھے۔ یہ لشکر آپ کی علالت کی وجہ سے رک گیا۔ وفات نبوی کے بعد حضرت ابو بکر نے اس کو بھیجا لیکن اس سے غسانیوں اور رومیوں کا جو خطرہ تھا اس میں کمی نہیں آئی۔ کیونکہ وہ ایک نہ ایک دن مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے تیار تھے۔

اس لئے حضرت ابو بکر نے ۱۲ھ کے آخر میں چار ٹہے سپہ سالار منتخب کئے۔

عمر بن عاص۔ یزید بن ابی سفیان۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور شمر جلیل بن حسنہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک فوج نامزد کی۔ اور ان کے راستے متعین کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عبیدہ عمص۔ عمرو فلسطین۔ یزید دمشق اور شمر جلیل اردن کی طرف بھیجے گئے۔ اس تمام فوج کی تعداد جوان چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ تھی ۳۶ ہزار تھی۔

جب رومیوں کو اسلامی فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مقابلہ کی فکر کی ہر قل اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ اسلامی فوج الگ الگ چار حصوں میں منقسم ہے اس لئے یہ کوشش کی کہ یہ فوجیں مجتمع نہ ہونے پائیں۔ اور ہر ایک حصہ کے مقابلہ میں اس سے دگنی تعداد میں فوج بھیج دی جائے۔ مسلمان امراء کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے باہم خط و کتابت کی اور عمر بن عاص سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے ہر ایک کو یہ لکھا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔ یہ رائے سب لوگوں نے پسند کی۔ اطلاقاً ایک تحریر خلیفہ کے پاس بھیجی گئی۔ انہوں نے بھی منظور کیا اور لکھا کہ سب لوگ یرموک میں پہنچ کر مل جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی فوج کو نماز پڑھائے۔

ہر قل نے اپنے حقیقی بھائی تدارق کو ۹۰ ہزار فوج دے کر عمر بن عاص اور جرجہ کو بھی اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان اور راقص کو شمر جلیل اور فیقار کو ۶۰ ہزار لشکر کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا۔ مگر جب اس کو مسلمانوں کے اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ان فوجوں کو حکم بھیجا کہ مجتمع ہو کر لڑیں۔ بمقام واقوصہ میں وہ تمام فوجیں اکٹری جمع ہوئیں۔ ان کے ایک طرف دریا اور پس پشت پہاڑ تھا۔ اس محفوظ مقام کو انہوں نے اس وجہ سے پسند کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے دل مطمئن اور بے خوف ہو جائیں۔ رومی فوج کی کل تعداد امام طبری کے بیان کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

اسلامی فوج نے بھی یرموک سے بڑھ کر ان کے سامنے مورچہ جمایا۔ اب رومی فوج بالکل محصور ہو گئی۔ اور ان کے آنے جانے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ یہ حالت ماہ صفر ۶۳۷ء کو رجب الثانی



تک رہی مسلمانوں نے دربار خلافت سے امداد طلب کی۔ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو لکھا کہ وہ عراق کی مہم پر ہشام بن عارتہ کو چھوڑ کر خود شام میں جا کر مسلمانوں کی مدد کریں وہ وہیں سزا فوج لے کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان امراء اگرچہ ایک جگہ مجتمع ہیں لیکن اپنی اپنی فوجیں لے کر الگ الگ دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ رومی عنقریب ایک مستفقہ حملہ کرنے والے ہیں اس وجہ سے اسلامی فوج کے امراء کو جمع کیا اور کہا کہ :-

آج کا دن ایک ایسا دن ہے کہ جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس میں فخر اور شرافت کو خیال کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ دشمن ترتیب نظام کے ساتھ آبادہ جنگ ہے اس لئے ہم کو مناسب نہیں ہے کہ ہم متفرق اور منتشر ہو کر جنگ کریں لہذا وہ رائے قرار دو جو مناسب ہے۔

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ :-

میری رائے یہ کہ ہم الگ الگ لڑیں بلکہ سب ایک امیر کے ماتحت ہو جائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ اللہ اور نہ خلیفہ رسول کے نزدیک اس کا رتبہ گھٹ جائے گا۔ رومی ہمارے اوپر حملہ کرنے کے لئے تیار ہیں اگر ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر ان کو دباتے چلے جائیں گے۔ اور اگر خدا نخواستہ انھوں نے ہم کو شکست دے دی تو پھر سارا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا مناسب یہ ہے کہ ہم باری باری سے امیر ہوں۔ ایک شخص آج۔ دوسرا کل اور تیسرا برسوں۔ اور آج کے روز تمام فوج کا امیر مجھ کو بنا دو۔

سب لوگوں نے اس بات کو منظور کیا۔ حضرت خالد نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ عربی فوج اس سے پہلے کبھی اس طرح پر مرتب نہیں کی گئی تھی۔ انھوں نے سارے لشکر کو ۳۰ دستوں میں تقسیم کیا۔ ۸ دستے قلب میں رکھے اور وہاں ابو عبیدہ کو متعین کیا دس دستے میمنہ پر اور ان کا سردار عمرو بن عاص اور شرییل کو بنایا اور دس دستے بصرہ پر یزید بن ابی سفیان کی سرکردگی

میں رکھے ہر رستے پر ایک ایک کاراز نمودہ امیر مقرر کیا جو ہمینہ یا میسرہ یا قلب کے سپہ سالاروں کے احکام پر اپنے دستہ کو حرکت دے ابوسفیان بن حرب کو نقیب ابودرداء کو قاضی اور مقداد کو قاری مقرر کیا۔ اسلامی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ جنگ سے پیش سوره انفال سنائی جاتی تھی یہ کام قاری کا تھا۔ نقیب اپنی تقریر سے فوج کے جوش کو بڑھاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان ہر رستہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔

اللہم! اتم جوانان عرب اور حامیان اسلام ہو اور وہ رومی سپاہی اور شرک کے مددگار

ہیں۔ یا اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے تو اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔

اسلامی فوج کے ایک شخص نے حضرت خالد سے کہا کہ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مسلمان کم ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسلمان بہت زیادہ اور رومی بہت کم ہیں۔ فوج کی کمی یا زیادتی تعداد پر نہیں بلکہ فتح اور شکست پر ہے۔

رومیوں نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت شان کے ساتھ صف آرائی کی حضرت خالد نے قلب کے دونوں بازوؤں کو جن پر عکرمہ بن ابی جہل اور قحطاع بن عمرو تھے حکم دیا کہ تیر اندازی کریں۔ اس کے بعد عام حملہ کیا وہ خود قلب کے آگے تھے اپنی فوج کو لئے ہوئے رومی سواروں اور پیادوں کے درمیان میں پہنچ گئے۔ پہلے عنیم کے سواروں نے شکست کھائی اور ایک طرف بھاگ نکلے مسلمان اپنی جگہ پر جمے رہے اور ان کو بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ اس کے بعد تمام اسلامی فوجیں پیادوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو پیچھے ہٹا دیا چونکہ ان کے پس پشت پہاڑ تھا اس لئے اوپر راستہ نہ ملا بہت سے مارے گئے اور بقیہ دریا کی طرف پلٹے مسلمانوں نے ان کو یہاں تک دبایا کہ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار پانی میں غرق ہو گئے۔

لڑائی دن بھر اور رات بھر جاری رہی۔ اور جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رومی سپہ سالار کے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بہت سے مسلمانوں نے اس جنگ میں نمایاں کام انجام دیا عکرمہ نے چلا کر کہا کہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑتا رہا کیا آج ان رومیوں سے بھاگوں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرے۔ یہ سن کر عارت اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو بہادر جانتناز مسلمانوں نے بیعت کی اور رات بھر خالد کے خمیرہ کے سامنے لڑتے رہے۔ ان کے صبر و ثبات کا عالم یہ تھا کہ سب کے سب زخموں سے چور تھے۔ صبح کے وقت حضرت عکرمہ امدان کے بیٹے عمر و اٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے گئے۔ انہوں نے دونوں کا سر اپنی دکان پر رکھا۔ ان کے چہروں سے خاک جھاڑتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے۔ اسی حالت میں ان کی رومیوں نے عالم قدس کو پرواز کر گئیں۔ مسلمان خواتین بھی اس جنگ میں اپنا دستہ الگ بنا کر رومیوں سے لڑیں بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ دن نکلنے نکلنے رومیوں سے میدان صاف ہو گیا۔ مسلمان شہداء کی تعداد تین ہزار تھی۔

اس شکست کی خبر جب ہرقل کو پہنچی تو حمص سے چلا گیا۔ اور کہا کہ اے ملکِ شام تجھ کو یہ میرا آخری سلام ہے۔

رومیوں نے اسلامی فوج کا حال دریافت کرنے کے لئے ایک عرب جاسوس بھیجا تھا جب وہ واپس گیا تو اس نے جو الفاظ مسلمانوں کی نسبت کہے وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:- وہ لوگ رات میں فرشتے اور دن میں دیو ہیں۔ حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور زنا کرے تو سنگسار کر دیتے ہیں۔

اتنا جنگ میں مدینہ سے ایک قاصد خط لے کر آیا جس میں حضرت ابو بکر صدیق کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی اطلاع تھی۔ نیز یہ کہ حضرت خالد سپہ سالاری سے معزول اور ابو عبیدہ ان کے بجائے سپہ سالار عام کئے گئے۔

حضرت خالد نے یہ خط حضرت ابو عبیدہ کو مخفی طور پر دکھلا دیا اور اس خیال سے اشاعت نہیں کی کہ فوج میں بددلی نہ پیدا ہو جائے۔ جب فتح حاصل ہو چکی تو اس خط کا اعلان کیا اور ابو عبیدہ کو امیر تسلیم کیا۔

یہاں یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی فوج جس کی تعداد صرف چھیا لیں ہزار تھی کس طرح اپنے سے پانچ گنی رومی فوج پر غالب آگئی حالانکہ رومی فوج باقاعدہ مرتب ساز و سامان سے درست جنگ دیدہ اور کار آزمودہ تھی اور ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر چکی تھی۔

اس کا سبب جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ مسلمان سپاہی جو ان جنگوں میں شریک ہوتا تھا اس کے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا تھا کہ انجام کار فتح ہماری ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات اور آنحضرتؐ کے اقوال سے ان فتوحات عظیمہ کی بشارتیں اس کے کانوں میں پڑ چکی تھیں یہ اطمینان قلب اس کے حق میں تائید آسمانی کا کام دیتا تھا علاوہ بریں وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا تھا کہ جنگ میں کام آگیا تو شہید نہیں تو غازی ہوگا۔ لہذا اس کو نہ تو موت کی پروا ہوتی تھی نہ وہ کسی خطرہ سے جی بڑاتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو سپہ سالار بھی ایسے مل گئے تھے کہ دنیا کی تاریخ ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی خود حضرت خالد کو دیکھئے ان کے کارنامے صدر اول کی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔

حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں جو سوا دو سال تھارومیوں اور ایرانیوں پر فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا۔

### نظام داخلی

(خلیفہ اول کے عہد میں صرف جزیرہ عرب اسلامی انتظام کے ماتحت تھا۔ شام و عراق میں جنگ قائم تھی۔ وہاں کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام خود امراء لشکر کے متعلق تھا۔ کل عرب دس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک امیر مقدمات کے فیصلہ۔ حدود شرعیہ کے اجراء اور نماز کے لئے مقرر تھا۔ خود ہی امیر اور وہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ صوبوں کی تفصیل معہ امراء کے حسب ذیل ہے۔

(۱) مکہ یہاں کے امیر عتاب بن اسید تھے جو زمانہ رسالت میں مقرر ہوئے تھے۔

۲، طائف عثمان بن ابی العاص یہ بھی عہد رسالت سے ماہور تھے۔  
 ۳، صنعا ہاجر بن ابی امیہ نے روئے کے بعد جب اسن کو فتح کیا تو یہاں کے والی مقرر کئے گئے۔

۴، حضرت موت۔ زیاد بن لبید

۵، عثمان۔ یعلیٰ بن امیہ

۶، زبید (بین) ابو موسیٰ اشعری

۷، جنڈ۔ معاذ بن جبل

۸، جرش۔ عبداللہ بن ثور

۹، بحرین۔ علاء بن حضرمی

۱۰، بخران۔ جریر بن عبداللہ بکلی۔

حضرت ابو بکر نے کسی کو وزیر نہیں بنایا تھا۔ صرف حضرت عمران کے مشیر تھے اور معذات کے بھی فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت عبیدہ جب تک شام کی بہم پر نہیں بھیجے گئے تھے امین بیت المال رہے۔ فرامیں حضرت زید بن ثابت لکھتے تھے اور خطوط اور حالات وغیرہ حضرت عثمان یا جو کوئی حاضر ہو۔

خلیفہ کا گزارہ

خلافت سے قبل حضرت ابو بکر کا ذریعہ معاش تجارت تھی خلیفہ ہو جانے کے بعد چھ مہینہ تک وہ تجارت کرتے رہے اور اسی سے اپنا کام چلائے رہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ خلافت کی مہمات سے تجارت کی فرصت نہیں مل سکتی تو اس کو چھوڑ دیا۔

ان کے معمولی اخراجات اور عیال کے گزارہ کے لئے بیت المال سے چھ ہزار درہم یعنی تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر وہ ساری رقم جو آج تک بیت المال سے وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ جو رقم میں نے لی ہے اس کے مطابق امت کی خدمت نہیں کر سکا۔

حضرت عمر نے کہا کہ ابو بکر نے اپنے بعد آنے والے خلفاء پر بڑا بوجھ ڈال دیا۔  
بیت ابو بکر رضی

اسلام سے پہلے انہوں نے دو نکاح کئے تھے۔ ایک قتیلہ بنت عبد العزے سے جو قبیلہ قریش میں سے تھیں۔ ان سے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ پھر حضرت اسماء بنت ابی طالب سے جو قبیلہ خزرج میں سے تھیں۔

زمانہ اسلام میں بھی دو نکاح کئے پہلا اسماء بنت عیس کے ساتھ جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے محمد پیدا ہوئے۔ دوسرا حبیہ بنت خارجہ سے جو قبیلہ خزرج میں سے تھیں ان کے بطن سے ایک بیٹی ام کلثوم حضرت ابو بکر کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔  
وفات

۶ جادی الثانی ۱۳ھ کو بخارا آیا اور دو ہفتہ تک برابر آتا رہا۔ ۲۱ جادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۲ء کو شام کے وقت انتقال فرمایا۔ عمر ۶۳ سال کی تھی مدت خلافت دو سال تین ماہ دس روز نماز جنازہ حضرت عمر نے پڑھائی۔ اور حضرت عائشہ کے حجرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح کہ ان کا سر آنحضرت کے دوش مبارک کے بالمقابل رہے دفن کئے گئے۔  
فضائل ابو بکر رضی

تمام مورخ متفق ہیں کہ حضرت ابو بکر بڑے دولتمند اور ملک میں نہایت مغرور و محترم تھے انساب قریش اور ان کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے بعد مردوں میں سے سب سے پہلے ہی اسلام لائے اور اپنی دولت آنحضرت کی خدمت اور حمایت میں صرف کر دی۔ انہیں کی کوشش سے بڑے بڑے سرداران قریش اسلام لائے ہجرت کے موقع پر آنحضرت کی رفاقت کی تمام فضیلتیں ان ہی کو حاصل ہوئیں۔ مدینہ تک رفیق طریق رہے اور اپنا بقیہ سرمایہ بھی ساتھ لیتے گئے کہ آنحضرت کے کام آئے گا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دینا میں ادا کر دیا لیکن ابو بکر کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے۔

ان کا بدلہ ان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ دے گا تقویٰ زہد عقل اور مسانت میں بھی وہ ممتاز تھے۔ انہیں فضائل کی وجہ سے وہ اس امت کے تمام لوگوں سے بلکہ بعد انبیاء کے کل بنی نوع انسان سے افضل تسلیم کئے گئے اور اس کی پوری شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے۔ فتنہ ارتداد کو جس اولوالعربی اور دانشمندی کے ساتھ تھوڑی مدت میں انہوں نے مٹا دیا وہ انکی اس عظمت اور فوقیت کا جو جماعت صحابہ پر ان کو حاصل تھی نمایاں ثبوت ہے۔ رضی اللہ عنہ

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت ابو بکر بیمار ہوئے اور ان کو اپنی موت کا احساس ہوا تو مصلحت امت کے خیال سے ان کی یہ رائے ہوئی کہ کسی کو خلیفہ منتخب کر جائیں۔ ان کے نزدیک حضرت عمر بن خطاب خلافت کیلئے زیادہ موزوں تھے۔ لیکن مزید احتیاط کے خیال سے بڑے بڑے صحابہ سے بھی اس امر میں مشورہ لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور پوچھا کہ عمر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کو سب سے افضل سمجھتا ہوں۔ لیکن ان کے مزاج میں کسی قدر سختی ہے۔ فرمایا کہ وہ سختی اس لئے کرتے ہیں کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ اگر خلافت ان کے سپرد کر دی جائے گی تو ان کی سختی خود بخود کم ہو جائے گی۔ پھر حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میری بہ نسبت آپ خود ان سے زیادہ واقف ہیں۔ حضرت ابو بکر نے اصرار کیا کہ تم اپنا خیال لال زہ کے بارہ میں ظاہر کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں انکا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں سے کوئی شخص ان کے برابر نہیں۔ اس کے بعد اور لوگوں سے بھی دریافت کیا۔

الغرض بعد مشورہ یہی رائے قرار پائی کہ حضرت عمر خلیفہ بنائے جائیں۔ ایک روز صحابہ حضرت ابو بکر کے مکان کے پاس جمع تھے۔ وہ بیماری میں ایک شخص کے سہارے سے اپنے بالا خانہ پر چڑھے اور ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

کیا تم اس شخص کو پسند کر دو گے جس کو میں تمھارے لئے مقرر کر دوں میں نے غور اور مشورہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور اپنے کسی قرابت دار کو نہیں بجز کیا ہے بلکہ عمر کو اپنا جانشین بنا تا ہوں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم کو منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو بلایا اور مندرجہ ذیل عہد نامہ لکھرایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ عہد نامہ ابو بکر بن قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جب کہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقیدتمند اور دھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے میں نے تمھارے واسطے عمر کو خلیفہ منتخب کیا لہذا ان کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو اس امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نیز اپنی ذات اور خود تمھاری خیر طلبی کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کریں تو ان کی نسبت میرا ہی گمان اور یہی علم ہے اور اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے میری نیت خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب نہیں جانتا۔

پھر حضرت عمر کو نصیحتیں اور ہدایتیں کہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔  
حضرت عمر کی خلافت کی ابتدا یوم سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۳۱ھ مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء سے ہوئی۔

### ترجمہ عمر

حضرت عمر بن خطاب بن نفیل قبیلہ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے ان کی والدہ خنتمہ بنت ہشام مخزومی تھیں۔ آنحضرت کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدائش ہوئی۔ ابتدا ہی سے شہامت جرات اور حق گوئی میں ممتاز تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اول اول یہ رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کے مخالف ہو کر ان کو ایذا دینی شروع کی جس سے مسلمان پر قابو چلتا اس کو مارتے اور ستاتے۔ ایک دن اس بات پر تیار ہوئے کہ جا کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ آنحضرت اس روز اقم مخزومی کے مکان میں مسلمانوں کے ساتھ تھے یہ تلوار لے کر اسی طرف



روانہ ہوئے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوں نے مسلمان ہو چکے ہیں اسی غصہ میں بہن کے گھر میں پہنچے۔ وہ اس وقت قرآن کی ایک سورہ جو قرطاس پر لکھی ہوئی تھی پڑھ رہی تھیں ان کو دیکھ کر وہ اوراق چھپا دئے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ تم نے آیاتی دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ان کو مارا یہاں تک کہ ان کا سر بھٹ گیا اور بدن خون سے رنگین ہو گیا انہوں نے جوش میں آ کر کہا کہ میں بیشک مسلمان ہو گئی ہوں اور اس دین کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔

بہن کا خون دیکھ کر غصہ کم ہوا قرآن کے اوراق مانگ کر پڑھنا شروع کیا۔ ہدایت کا وقت آچکا تھا تو فینق الہی شامل حال ہوئی۔ ان کے پڑھتے ہی اسلام کی حقانیت دل میں بیٹھ گئی اور آنحضرت کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

اگرچہ ان سے پہلے چالیس پچاس آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہی کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو طاقت اور شوکت حاصل ہوئی یہ اہل قریش سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں جہاں وہ اس سے پہلے جانے پہاڑ کھاتے تھے نماز پڑھنے لگے۔

جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو مسلمان کافروں کے خوف سے مخفی طور پر مکہ سے نکل کر جاتے تھے لیکن حضرت عمر بن مسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ہجرت کرتا ہوں جس کو منظور ہو کہ اس کی ماں اس پر توجہ کرے وہ اس وادی میں آکر مجھ کو روکے کسی کافر کی ہمت نہ بڑی کہ سامنے جاتا۔

ہجرت کے بعد آنحضرت کے ساتھ تمام عزوات میں شریک رہے بعض بعض امور میں حضور کو مشورے بھی دیتے تھے اور کئی بار آیات قرآنی ان کے مشورہ کے مطابق نازل ہوئیں۔

یہ اور حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے آنحضرت نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ بھی قائم کیا اور ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ سے ان کے شوہر کے مقتول ہو جانے کے بعد نکاح کر لیا۔

خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی یہ بطور مشیر کے رہے۔ فصل رضایا کا کام بھی انہی کے سپرد

تھان کی صحبت کران میں تامل اور دراندیشی کی صفت زیادہ بڑھ گئی اور مزاج میں کسی قدر نرمی آگئی۔  
خطبہ خلافت

خلیفہ اول کی وفات کے بعد جب ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:-  
عرب کی مثال ہاس اونٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو اس کے رہنا کا فیض  
ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ  
تم کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ کی اس عہد میں کس قدر صحیح تشخیص انھوں نے کی کیونکہ وہ  
ایک فرمانبردار جماعت تھی۔ جو حکم دیا جاتا تھا وہی کرتی تھی اور جس بات کی مانعیت کی جاتی تھی اس سے  
بازدہستی تھی۔ اس لئے ساری ذمہ داری خلیفہ امت پر عائد ہوتی تھی کہ وہ کس راستہ پر اس کو  
لے چلتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سیدھے راستہ پر لے چلوں گا۔

## فتوحات

### ایران

حضرت ابو بکر نے خالد بن ولید کو عراق سے جب شام کی طرف بھیج دیا اور نصف فوج لے کر  
وہ روانہ ہو گئے تو ثنی بن حارثہ باقی نصف فوج کو لئے ہوئے حیرہ میں مقیم رہے بہن جادویر لشکر  
لے کر ان کے مقابلہ کے لئے آیا۔ بائیں کے قریب ثنی نے اس کے سامنے نصف آرائی کی سخت جنگ  
کے بعد اس کو شکست دی اور مدائن تک تعاقب کیا۔ پھر حیرہ میں واپس آگئے۔ اس عرصہ میں دوبار  
خلافت سے کسی قسم کی اطلاع اور مدد نہ پہنچی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانی ایک جرار لشکر ہمارے  
مقابلہ کے لئے تیار کر رہے ہیں اس لئے بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے خود مدینہ آئے کہ  
خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دیں اور ان سے درخواست کریں کہ جو مسلمان مرتد ہو گئے  
تھے اور اب انکی توبہ اور ندامت ظاہر ہو چکی۔ ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے

جس روز مدینہ پہنچے وہ حضرت ابو بکر کی زندگی کا آخری دن تھا۔ انھوں نے ان حالات کو سن کر حضرت عمر کو تاکید کی کہ مثنیٰ کے لئے فوج جمع کرنا۔

حضرت عمر کی بیعت کے لئے جب دیار اور امصار کے لوگ آئے تو انھوں نے ان کے مجمع میں وعظ فرمایا اور ان کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ عربوں پر چونکہ زمانہ قدیم سے ایرانیوں کا رعب چھایا ہوا تھا اس لئے ان کے مقابلہ میں جانے سے ڈرتے تھے مثنیٰ نے اٹھ کر کہا کہ:-

لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔ ہم نے ان کو آزمایا ہے اور ان کے اد پر غالب رہے ہیں

ان کے زرخیز علاقے ہم نے چھین لئے ہیں۔ اور وہ ہم سے دب گئے ہیں۔

اس کے بعد پھر حضرت عمر نے لوگوں کو جوش دلایا۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا۔ لہذا مسلمان فتح پا کر رہیں گے۔ روئے زمین انھیں کی وراثت ہے۔ اللہ کے نیک بندے کدھر ہیں!

سب سے پہلے حضرت ابو عبید ثقفی نے کہا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ان کے بعد بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمر نے ابو عبید ہی کو سب کا سردار مقرر کیا۔ کیونکہ وہی سب سے پہلے اس جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ صحابی نہ تھے اور اس جمعیت میں بہت سے صحابہ شریک ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں کو یہ اعتراض پیدا ہوا کہ صحابہ رسول کے ہوتے ہوئے غیر صحابی کو کیوں امیر بنایا جائے۔ حضرت عمر نے اس تقریر میں تبدیلی کرنی مناسب سمجھی۔ مگر ابو عبید کو یہ تاکید کر دی کہ تمہارے ساتھ صحابہ ہیں ان کی بات سنا اور ان کو مشوروں میں شریک کرنا۔

اس زمانہ میں ایران کے تخت پر ملکہ آرزوی دخت تھی اس نے فارس کے ایک مور سپہدار رستم کو کل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور جنگ کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیئے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہاتوں میں ہر طرف اپنے آدمیوں کو بھیج کر ایرانیوں کو مذہبی اور قومی حمیت کا جوش دلایا اور مسلمانوں سے برگشتہ کر دیا۔ یہاں تک کہ فرات کے سوا اعلیٰ کے علاقے جو اسلامی قبضہ میں آچکے تھے پھر ہاتھ سے نکل گئے۔

ایران سے دو فوجیں نرسی اور جاپان کی ماتحتی میں روانہ ہوئیں۔ جاپان نمارق میں پہنچ کر خمیہ زن ہوا۔ ابو عبیدہ نے آگے بڑھ کر پہلے ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی۔ جاپان کو قبیلہ ربیعہ کے ایک معمولی عرب نے جو اس کو پہچانتا بھی نہ تھا گرفتار کر لیا۔ جاپان نے اس سے کہا کہ میں بڑھا ہوں تمہارے کس کام آؤں گا۔ تم اگر مجھے امان دے دو تو میں تم کو دو جو ان غلام دوں گا اس نے امان کی دی۔ لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہی سالار فوج ہے پکڑ کر ابو عبیدہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے فریب سے کر امان لے لی ہے۔ ایسے دشمن کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جب ایک مسلمان اس کو امان دے چکا تو اب بد عہدی کسی صورت سے جائز نہیں ہے اس کے بعد اس کو اس کی فرود گاہ تک پہنچا دیا۔

ایرانیوں کی شکست خوردہ فوج مقام کسکر میں نرسی کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئی۔ ابو عبیدہ اس طرف بڑھے اور مقام سقاظیہ میں لڑ کر اس کو ہریمیت فاش دی۔

اس اطراف کے رؤساء اور دہاقین ابو عبیدہ کے مطیع ہو گئے۔ ایک دن بطور تحفہ کے ان کے لئے قسم قسم کے کھانے پکوا کر لائے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ فوج جو خوں بہانے میں میرے ساتھ شریک ہے بلا اس کی شرکت کے میں تمہا کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔

رستم کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اس نے بہن جادویہ کے ہمراہ پھر ایک فوج بھیجی اور اس کو ورفش کا دیانی جو ایرانیوں کے نزدیک فتح کا نشان تھا اور فریدیوں کے وقت سے خزانہ میں بطور تبرک کے محفوظ تھا عطا کیا۔

فرات کے مشرقی ساحل پر یہ فوج اترتی۔ دوسری جانب اسلامی لشکر تھا۔ بہن نے کہا بھئیجا کہ یا تو تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو اس طرف آنے دو۔

ابو عبیدہ نے کہا کہ ہم خود اس طرف چل کر لڑیں گے۔ سرداران فوج نے جن میں مثنیٰ و غیرہ بھی تھے۔ ان کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس صورت میں ہماری فوج تباہ ہو جائے گی۔ لیکن ابو عبیدہ نے نہیں مانا۔ بالآخر کشتیوں کا پل بنا کر اسلامی فوج دریا کے اُس پار گئی۔

ایرانی لشکر میں بہت سے دیوپیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے بندھے ہوئے تھے۔ عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر ٹھہرنے سکے مجبوراً عرب گھوڑوں پر سے کود کر پیادہ ہو گئے۔ ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر سواروں کو خاک پر گرا دیا۔ خود ابو عبیدہ پیل سفید پر چوسب سے بڑا تھا حملہ آور ہوئے۔ تلوار اس کی سوڈ پر وار کیا۔ اس نے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے پسلیاں چور چور ہو گئیں۔ ایرانی چہرہ دستی کے ساتھ بڑھے چلے آتے تھے۔ اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے اس نیت سے کہ مسلمان واپسی کا خیال چھوڑ دیں اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑیں جا کر پل کی رسیاں کاٹ دیں۔ اب جو مسلمان ہٹتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے تو پل موجود نہیں تھا تقریباً چار ہزار آدمی دریا میں غرق ہو گئے یہ دیکھ کر شنی دیوار آہن کی طرح ایرانیوں کے مقابلہ میں جم گئے۔ اور ان کو روکے رکھا۔ پھر پل بندھوا دیا۔ اور بقیہ فوج کو پار اتار لائے۔ لیکن نو ہزار میں سے صرف تین ہزار بچے تھے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ابو عبیدہ کا رد سار فوج کی رائے سے مخالفت کرنا جو کار آزمودہ تھے مناسب نہ تھا۔ اسی کے ساتھ دوسری غلطی عبداللہ بن مرثد ثقفی سے ہوئی جس نے پل کاٹ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اگر شنی ثابت قدمی کے ساتھ نہ جم گئے ہوتے تو یقیناً تمام اسلامی فوج میں سے کوئی نہ بچتا۔

یہ خبریں وقت حضرت عمر کو ملی تو انہوں نے مسلسل فوجیں شنی کی امداد کے لئے روانہ کیں۔ جریر بن عبداللہ کو ان کے قبیلہ کے لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا۔ خود شنی نے بھی عراق سے ایک فوج مرتب کی۔ اور یہ سارا لشکر بویب میں جمع ہوا۔

رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران کو جس نے عرب میں تربیت پالی تھی منتخب فوجیں روانہ کیا۔ وہ بھی بویب کے متصل پہنچ کر فروکش ہوا۔ دریا کے فرات دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا۔ مہران نے شنی کو لکھا کہ یا ہم کو اس پار آنے دو یا تم خود اس پار آ جاؤ چونکہ واقعہ جس کی یاد ابھی تازہ تھی اس لئے یہ جواب دیا گیا کہ تم خود اس طرف آ جاؤ۔ ایرانی دیا کو عبور کر کے

صف آرا ہوئے۔ مثنیٰ نے ان کے مقابلہ میں خالدیہ طریقہ پر اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔

اسلامی فوج میں قاعدہ یہ تھا کہ سردار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا۔ پہلے نعرے پر فوج مستعد و سب سے پر آمادہ پیکار اور تیسرے پر حملہ آور ہوتی تھی۔ مثنیٰ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے بڑھنے لگے۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ واقعہ جسر میں بھاگے تھے آج اس کے کفارہ میں شہادت چاہتے ہیں۔ مثنیٰ نے نیزہ سے ان لوگوں کو دبا دیا اور کہا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ دشمن جب آئیں تو ان کو روکو اور بلا وجہ جان نہ دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب تک ہم اپنی جانیں راہ حق میں دے دیں اس وقت تک گناہ سے پاک نہیں ہو سکتے۔ صف میں اپنی اپنی جگہ پر آگے۔ لیکن بالآخر شہادت حاصل کی۔

یہ جنگ نہایت خونریز تھی۔ ایرانی قومی حمیت کے خیال سے بہت جوش و خروش کے ساتھ لڑے لیکن مسلمان ان کے حملے میں ثابت قدم رہ گئے۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ مہران کے مہینہ پر حملہ کیا۔ اور اس کو شکست دیتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگے۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر جبل توڑ دیا جب ایرانیوں نے دریا کی طرف راستہ نہ پایا تو پشت پھیر کر دوسری طرف رخ کیا۔ مسلمان تعاقب کر کے دور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے۔ قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے مہران کو مار ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر بچا رہا کہ میں نے عجمی سپہ سالار کا کام تمام کیا۔ اس موقع پر مثنیٰ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے فوج کے سامنے اقرار کیا کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے میں نے آگے بڑھ کر جوہل کاٹ دیا تھا یہ اصول جنگ کے خلاف تھا۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہم کو فتح دے دی لیکن آئندہ سے اس امر کی احتیاط کرنی چاہیے۔ اور جب تک فراریوں کے روکنے کی پوری قوت موجود نہ ہو اس طرح پرانے راستہ میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہیے۔

قادسیہ

اس شکست پر ایران میں کہرام مچ گیا۔ وہاں کے امراء اور رؤسا مدائن میں مجتمع ہوئے

انہوں نے کہا کہ عورت کی حکومت اور باہمی اختلاف کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے۔ ستم اور فیروز سے جو ایران کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور آپس میں دشمنی رکھتے تھے کہا کہ اگر اب بھی تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم پہلے تمہارا خاتمہ کر دیں گے وہ بھی موقع کی اہمیت کو سمجھے اور نزع کو چھوڑ کر متحد ہوئے۔ آرمی دخت کو تخت سے اتار کر اس کے بجائے یزدگرد کو جو اکیس برس کا تھا بادشاہ بنایا اس کی تخت نشینی سے سلطنت کا سہارا پا کر عراق کے سرحدی مرزبان جنگو مسلمان فتح کر چکے تھے پھر باغی ہو گئے۔

حضرت عمر نے یہ حالات سنے تو شنی کو لکھا کہ اپنی فوجوں کو جمع کر کے عرب کی سرحد کی طرف آیاؤ اور خود فوجی تیاری میں مصروف ہوئے۔ تمام قبائل عرب میں فرمان بھیجا کہ جہاں کہیں کوئی بہادر شہسوار صاحب رائے شاعر یا خطیب ہو اس کو فوراً میرے پاس بھیجو۔ اس حکم کی تعمیل میں قبائل عرب سے ایک انبوہ کثیر آ کر مدینہ کے گرد جمع ہوا۔

حضرت عمر نے مقدمہ پر حضرت طلحہ کو سیمینہ پر حضرت زبیر کو اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف کو مقرر فرمایا۔ چاہتے تھے کہ خود اس فوج کو لے جا کر ایرانیوں سے مقابلہ کریں لیکن مدبرین صحابہ نے ان کو روکا لہذا حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس کا سپہ سالار بنایا۔ حضرت سعد شجاعت میں بہت نامور تھے۔ لیکن ان کی جنگی تدابیر پر زیادہ اعتماد نہ تھا اس لئے احتیاطاً لشکر کی مہات زیادہ تر اپنے اختیار میں رکھیں۔

حضرت سعد فوج کو لیکر روانہ ہوئے۔ اور مقام زرد میں پہنچ کر اس کا شمار کیا تیس ہزار تھی وہاں باقاعدہ مرتب کیا اور مختلف دستے بنا کر ان کے الگ الگ امراء مقرر کئے بشرف پہنچے تو وہاں حضرت عمر کا حکم ملا کہ قادیسیہ پر قیام کرو۔ اس مقام سے ایران کا پایہ تخت مدائن تین منزل تھا۔

شنی ابن کوڑائی میں سخت زخم آ گیا تھا بستر مرگ پر سعد کے انتظام میں تھے۔ قادیسیہ میں پہنچ کر حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے۔ لیکن یہ وصیت کر گئے ہیں کہ ایرانیوں سے جنگ ان کی سرحد میں کی جائے اور قیام عربی سرحد کے قریب رکھا جائے تاکہ فتح ہو تو آگے بڑھتے چلے

جائیں ورنہ اپنے ملک میں محفوظ رہیں۔

حضرت عمر کے یہاں سے متواتر خطوط سعد کے نام آتے رہتے تھے۔ یہ بھی فرمان پہنچا کہ قادیسہ کی سرزمین اور غنیم کی فوجوں کا حال لکھو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری ہدایتیں اسی سبب سے نہیں لکھی ہیں کہ مجھ کو موقع اور دشمن کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔

حضرت سعد نے اپنی فرودگاہ اور موقع جنگ وغیرہ کے مفصل حالات تحریر کئے اور لکھا کہ آرمینیا کا رئیس رستم ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے اور اپنی سپاہ لئے ہوئے مقام سا باط میں خیمہ زن ہے۔

دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ جنگ سے پیشتر حیدر عقیل و فہیم مسلمانوں کو دربار ایران میں بھیجنا کہ وہ دعوت اسلام کریں حضرت سعد نے چودہ منتخب اشخاص کو بھیجا۔ یہ لوگ مدائن میں پہنچ کر شاہ یزدگرد کے دربار میں گئے اس نے ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو نہایت ساز و سامان کے ساتھ سجا یا تھا۔ یہ لوگ عربی قاعدہ کے مطابق موزے پہنے اور ہاتھوں میں تازیانے لئے دربار میں داخل ہوئے ان کی اس ہیئت سے ارکان سلطنت اور خود بادشاہ پر خوف چھا گیا۔

ترجمان کے توسط سے گفتگو ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے۔ نعمان بن مقرن نے جو وفد سفارت کے سرگروہ تھے جواب میں عرب کی قدیمی جہالت اور پھر ان کے اسلام لانے کا حال بیان کیا پھر کہا کہ ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی قریبی اقوام سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔ ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو۔ اگر اسلام لاؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالہ کر دیں گے کہ اس کے مطابق چلو اور تم کو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر جزیہ دے کر ہماری حمایت میں آنا چاہتے ہو تو ہم یہ بھی منظور کر لیں گے اور تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی۔ ورنہ جنگ کریں گے۔

یزدگرد نے کہا کہ دنیا میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور اور بد بخت نہ تھی جب تم ہم سے بغاوت کرتے تھے تو ہم سرحد کے کسی رئیس کو لکھ بھیجتے تھے وہ تم کو ٹھیک کر دیتا تھا اب بھی ہماری لڑائی سے باز آؤ اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکتے ہو۔ دو چار فتوحات جو تم کو



حاصل ہو گئی ہیں اس سے دھوکہ میں نہ آؤ اگر تم نے مفلسی یا قحط سالی کی وجہ سے یہ غارتگری شروع کی ہے تو ہم تم کو کچھ دینے کے لئے بھی راضی ہیں۔ اور تمہارے اوپر ایک ایسا حکم مقرر کر دیں گے جو ہر بانی سے سلوک کرے گا۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے لیکن مغیرہ بن زرارہ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے ساتھی شرفاء عرب ہیں۔ حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو پسند نہیں کرتے نگر آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس کے جواب میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہم ایسے ہی تھے جیسا کہ آپ نے کہا۔ ہم سے زیادہ بد بخت اور گمراہ کوئی قوم نہ تھی۔ ہماری مفلسی کا یہ حال تھا کہ ہم سانپ بچھو حشرات الارض تک کو کھا جاتے تھے۔ زمین کی پشت ہمارا نشین تھی اور اونٹ کا اون ہمارا لباس ہم ایک دوسرے کو لوٹتے اور اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک نبی پیدا کیا جو نبیؐ حسب اور اخلاق و عادات میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اس کو جھٹلایا اور مخالفت کی لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کی بات ماننے لگے۔ وہ جو کچھ کرتا تھا اللہ کے حکم سے کرتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اللہ کے حکم سے کہتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں جو اس کو مان لے اس کا وہی حق ہے جو ہمارا حق ہے۔ اور جو نہ مانے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے۔ مگر جو اس سے بھی انکار کرے اس کے لئے تلوار ہے اب اگر آپ چاہیں تو جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں۔ اور نہیں تو تیغ آزمائی کریں اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں کہ آپ کی جان اور سلطنت محفوظ رہے۔

بزد گرد نے برا فرختہ ہو کر کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جس نے ہم کو مخاطب کیا تھا وہی ہمارا بھی مخاطب ہے۔ بولا کہ اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں تم کو نہ چھوڑتا۔ جاؤ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اپنے سردار سے کہہ دینا کہ ہم تم آ رہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادیسیہ کی خندق میں دفن کر ڈالے گا۔

۱۰ تم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نجف میں خیمہ زن ہوا۔ اسلامی فوج اس کے بالمقابل تھی۔ ایک عرصہ تک وہ لڑائی کو ٹالتا رہا۔ اور کوشش کرتا رہا کہ کوئی صورت صلح کی پیدا ہو جائے لیکن نہ ہو سکی۔

حضرت سعد نے غنیم کی فوجوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بہت سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ انھی میں سے ایک شخص طلحہ رات کے وقت ایرانی لباس میں رستم کی فوج میں گئے ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اس کو کھول کر خود اس پر سوار ہو گئے۔ اور اپنے گھوڑے کو اس کے بجائے باندھ دیا۔ وہ ایک سردار کا گھوڑا تھا جب اس کو پتہ لگا تو دو سواروں کو لے کر ان کے پیچھے دوڑا۔ نزدیک پہنچ کر نیزہ مارا۔ انھوں نے وار خالی دیا اور پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اس کے سینہ پر ایسا بوجھا مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں میں سے بھی ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو بکڑ لائے۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا نام مسلم رکھا گیا۔ ان کے ذریعہ سے ایرانی فوج کے مخفی حالات مسلمانوں کو معلوم ہو گئے۔ مسلم آخر تک تمام معرکوں میں شریک رہے اور نہایت خلوص کے ساتھ جانبازی کے جوہر دکھائے۔

محرم ۱۱ھ میں دونوں فوجیں میدان جنگ میں صف آرا ہوئیں۔ ایرانیوں کے پس پشت نہر عتیق اور مسلمانوں کے پیچھے خندق تھی۔ درمیان میں میدان جنگ تھا حضرت سعد عرق النساء کی بیماری کی وجہ سے حرکت سے معذور تھے۔ وہ میدان جنگ کے کنارے ایک قدیمی قصر کے اوپر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے خالد بن عرفطہ کو محل کے نیچے کھڑا کر دیا تھا اور خود پرچوں پر حکم لکھ کر گولی بنا بنا کر اوپر سے پھینکتے جاتے تھے۔ خالد انھی ہدایتوں کے مطابق فوج کو احکام پہنچاتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعد نے تین تکبیریں کہیں اور حملہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کو جو سب سے بڑی دشواری پیش آئی وہ ہاتھیوں کی تھی۔ ان کو دیکھ کر عربی گھوڑے بھاگنے لگے اور سواروں کے ساتھ پیدل فوج کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت سعد نے قبیلہ بجیلہ کے سردار طلحہ کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں سے مسلمانوں کو بچاؤ۔ طلحہ نے اپنے قبیلہ کو مخاطب کر کے کہا کہ یا رب! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے

مدد مانگی ہے۔ ان لوگوں نے جوش میں آکر ہاتھیوں پر تیر بوسائے اور ان کے سواروں کو گرا دیا بنی سہ  
 کا قبیلہ بڑی مشکوں ہاتھیوں کے ریلے سے بچایا گیا تاہم ان میں سے پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے۔  
 میمنہ اور مسیرہ نے بھی خفیف حملے کئے۔ اور کسی قدر رات تک یہ لڑائی جاری رہی  
 اس روز بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔

دوسرے دن مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھالائے شہیدوں کو دفن کیا  
 اور زخمیوں کو عورتوں کے حوالہ کیا کہ مرہم پی کریں۔ اس کے بعد لشکر کی صف آرائی کی۔ اسی اتنا  
 میں شام کی طرف سے حضرت عمر کے فرمان کے مطابق وہ فوج جس کو حضرت خالد عراق سے  
 لے گئے تھے امداد کے لئے آگئی۔ اس کے امیر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد کے بھتیجے  
 تھے۔ اس کے آجانے سے مسلمانوں کو تقویت پہنچ گئی۔

اس روز عربوں نے اونٹوں کو جھول اور برقعہ پہنا کر اس طرح کا مہیب بنایا تھا کہ جس  
 طرف وہ رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے ان سے وہی آفت ایرانیوں  
 پر نازل ہوتی جو پہلے دن ہاتھیوں سے مسلمانوں پر ہوئی تھی۔ آدھی رات تک جنگ جاری  
 رہی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ ایرانی سرداروں میں سے بہمن اور زبیر چہر قحاق  
 کے ہاتھ سے اور سیستان کا شاہزادہ شہر برازا اور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

حضرت ابو محجن جو ایک بہادر صحابی تھے ان کو شراب پینے کے الزام میں حضرت سعد نے اپنے  
 گھر میں قید کر رکھا تھا۔ وہ اس لڑائی کو دیکھ کر جوش سے بیتاب ہو گئے۔ اور حد کی بیوی سلمیٰ  
 سے کہا کہ تم مجھ کو چھوڑ دو میں جا کر جہاد کروں گا اگر زندہ بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا سلمیٰ نے  
 ان کو چھوڑ دیا۔ وہ حضرت سعد کے گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ لیے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور  
 للکار کر اس طرح دشمنوں پر گرے کہ ان کی صفیں الٹ دیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون شخص ہے  
 شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو  
 انہوں نے ان کو رہا کر دیا۔ اور کہا کہ جو شخص اس طرح اسلام کے اد پر اپنی جان نثار کرے

میں اس کو کبھی سزا نہیں دوں گا۔ ابو مجن نے کہا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

تیسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو پھر وہی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے آئی۔ وہ ہاتھی سب سے بڑے تھے ان میں سے ایک کی دونوں آنکھوں میں دو مسلمانوں نے ایک ساتھ تیرہ مارا اور تلوار سے اس کی سونڈ کو کاٹ لیا۔ اس نے اس زور سے سر ہلایا کہ فیلبان نیچے گر گیا پھر وہ ہاتھی خود گر پڑا۔ دوسرے ہاتھی کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا۔ وہ زخم کھا کر منہ موڑ کر نہر کی طرف بھاگا۔ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو گئے اور ایرانیوں کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اب مسلمانوں نے بلا خوف ہو کر شدت کے ساتھ ایرانیوں پر دباؤ ڈالا۔ لڑائی بھر بھر جنگ جاری رہی اور سوائے تلواروں اور گھوڑوں کی آوازوں کے اور کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ صبح کو قحطی نے پکارا کہ فتح کے لئے ایک گھڑی کا صبر اور دو کارہے مسلمان ثابت قدمی سے لڑتے رہے۔ ظہر سے پہلے پہلے ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں نے شکست کھائی۔ پھر مسلمان سیلاب کی طرح قلب کی طرف بڑھے۔ دوش کا دیانی چھین لیا۔ رستم اپنے تخت سے اتر کر خود مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا لیکن زخم کھا کر بھاگا اور نہر میں کود کر جا ہا کہ اس پار نکل جائے۔ ہلال بن عرفہ نے پانی میں سے اس کو کھینچ کر قتل کر دیا۔

اس جنگ میں ایرانی ہر چند نہایت پامردی سے لڑے۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی تیس ہزار کشتہ میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمان شہداء کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی حضرت سعد نے دربار خلافت میں فتح نامہ لکھا۔

قادسیہ کی لڑائی کے متعلق حضرت عمر نہایت فکر مند رہتے تھے۔ ہر روز صبح کو قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکلتے اور دو پہر کو واپس جاتے جس روز ناقہ سوار فتح نامہ لے کر پہنچا تو مدینہ کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمر اس سنے لے اور حالات پوچھنے لگے۔ وہ سواری کو تیزی سے لئے آ رہا تھا۔ امدان سے حالات کہتا جاتا تھا وہ پیچھے پیچھے دوڑتے چلے آتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے پر جب ان کو لوگوں نے امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا اس وقت قاصد کو معلوم ہوا۔ اس نے کہا اللہ رحم

کرے! آپ نے پہلے سے کیوں مجھے نہ بتلایا کہ میں رُک جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں۔ پھر اس سے خط لے کر مجمع عام میں لوگوں کو سنا دیا۔

اس کے بعد سعد نے دوسرا خط لکھا کہ میرے پاس بہت سے ایسے لوگ آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایرانی امراء نے زبردستی پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا تھا ہم اپنی خوشی سے نہیں لڑتے تھے۔ اور اب وہ امان کے طالب ہیں۔ ان کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ امان چاہتے ہیں ان کو امان دے دی جائے اور جو گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں، ان کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہیں تو ذمی بن کر اپنے گھروں میں آجائیں۔

حضرت عمر کو یہ خوف بھی تھا کہ مسلمانوں کے پس پشت ابلہ کی طرف سے عجمی کہیں آ کر نہ ان کے اوپر حملہ کریں۔ اس لئے مدینہ سے فوج کا ایک دستہ عقبہ بن غزو ان کے ساتھ اس طرف روانہ کیا تاکہ وہ ایرانیوں کو اسلامی فوج کی طرف آنے سے روکے۔ یہ لوگ اس مقام پر ٹھہرے جہاں اب بصرہ ہے اور ابلہ کو ۱۲ھ میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد بصرہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس کی آبادی شروع ہوئی۔ قادیسیہ میں حضرت سعد جب دو مہینے آرام لے چکے تو مقام برس کی طرف جہاں ہرمز شکستہ خوردہ فوجیں لئے ہوئے بڑا تھا بڑھے مسلمانوں کو ایرانیوں سے مالِ غنیمت میں اس قدر گھوڑے ملے تھے کہ بیشتر اسلامی فوج سوار تھی۔ ہرمز زیادہ مقابلہ نہیں کر سکا اور بابل کی طرف بھاگ گیا۔ وہیں تمام ایرانی لشکر جمع تھا جس کا سردار فیروز تھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر ایک ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی اور اس کے پیچھے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ مقام کوئی میں مقابلہ ہوا۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار خود میدان میں آیا۔ زہرہ نے اس کے مقابلہ میں ایک غلام نابل کو بھیجا۔ نابل نے اس کو قتل کر دیا۔

بابل کے مرزبانوں نے حضرت سعد سے آکر صلح کر لی۔ پھر وہ کوئی ہوتے ہوئے بہرہ شیر کی طرف روانہ ہوئے۔ دو مہینہ تک اس کا محاصرہ کیا۔ اس دوران میں ان اطراف کے رئیسوں سے بھی عہد نامے کئے۔

ایرانی فوج قلعہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتی تھی۔ ایک دن سب مستعد ہو کر نکلے زہرہ کی زرہ کی کڑیاں جا بجا سے نکلی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا دوسری زرہ پہن لیجئے! انھوں نے جواب دیا کہ میں ایسا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف آئیں۔ اس روز پہلا تیر انھیں کولگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو بولے کہ نہ نکالو جب تک حیرم میں ہے اسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں۔ اسی حالت میں لڑتے ہوئے آگے بڑھے اور ایرانی فوج کے ایک سردار شہر بہماز کو قتل کیا۔ ایرانی قلعہ میں بھاگ گئے اور بالآخر مصالحت کر لی۔

### مدائن

بہرہ شیر اور مدائن کے بیچ میں دریائے دجلہ حائل تھا حضرت سعد کو معلوم ہوا کہ یزدگرد مدائن کے تمام ذخیرے منتقل کر رہا ہے اس لئے عجلت کے ساتھ بڑھے ایرانیوں نے پل توڑ ڈالا تھا۔ حضرت سعد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا ان کو دیکھ کر کل مسلمانوں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ دریا میں مار رہا تھا لیکن اسلامی فوج رکاب سے رکاب ملائے آپس میں باتیں کرتی ہوئی پار نکل آئی اس کی ترتیب میں بھی فرق نہیں آیا۔ ایرانی کنارے پر کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھتے تھے انھوں نے کہا کہ یہ انسانوں کا کام نہیں ہے چلا اٹھے کہ ”دیوان آمدند“ مدائن کی فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ یزدگرد اپنے اہل و عیال کو لے کر حلوان کی طرف بھاگا جو روگے تھے انھوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ ایوان کسرے میں شکر یہ کی نماز پڑھی گئی پھر جمعہ کی نماز بھی اسی میں ادا کی گئی یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں مسلمانوں نے پڑھا۔

حضرت سعد نے ان تمام مدتوں کو جو شاہی محل میں تھیں بدستور رہنے دیا اور ان کے توڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد سازد سامان اور ذخیرے فراہم کئے گئے اس میں سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا جس میں ایک فرش ساٹھ گز لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا اس میں بہارہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے قسم قسم کے دھت اور گل بوٹے زرہ جہاہرات کے تھے بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ یہ محفوظ رکھا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی مخالفت کی آخر اس کے پڑنے

پرزے کر کے تقسیم کر دیے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقدس زمانہ میں زخارف نبوی  
کس قدر لغو اور فضول خیال کئے جاتے تھے۔

### جلولار

ایرانیوں کی ہزیمت خوردہ فوج جب جلولار میں پہنچی تو امرار نے آپس میں مشورہ کیا  
کہ اگر آج ہم سب لوگ منتشر ہو گئے تو پھر اجتماع نہ ہو سکے گا اور یہی جگہ ہے جہاں سے مختلف  
صوبوں کے لوگ متفرق ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہاں جمع کر عربوں سے ایک  
آخری لڑائی لڑیں۔ اگر کامیاب ہوئے تو ملک کو بچالیں گے نہیں تو اپنے اپنے گھروں کو  
واپس چلے جائیں گے۔ یہ سوچ کر مورچہ بندی کی اور ارد گرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف  
کانٹے اور گولہ بچھادئے۔ صرف اپنی گذرگاہیں محفوظ رکھیں۔ حضرت سعد نے دربار خلافت کے حکم  
کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا وہ صفر ۱۶ مطابق مارچ ۶۳۷ء  
میں بارہ ہزار فوج لیکر جلولار پہنچ گئے اور دشمنوں کا محاصرہ کیا۔ ایرانی مورچہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتے  
تھے اور پھر اسی میں پناہ گزین ہو جاتے تھے ان کے پاس سامان رسد جمع تھا۔ علاوہ بریں بزد گرد  
حلوان سے سلسلہ دار ملک اور خوراگ بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے محاصرہ سے تنگ آ کر ایک دن دل  
توڑ کر حملہ کیا اور انکی خندقوں میں گھس گئے حملہ آوروں میں سب سے آگے قعقاع تھے ایرانی  
بھاگ نکلے مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور غنیم کا خالقین تک تعاقب کیا بزد گرد نے  
جب اس شکست کی خبر سنی تو حلوان چھوڑ کر رے کی طرف چلا گیا قعقاع نے پہنچ کر حلوان  
پر قبضہ کیا اور وہاں فوج کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ سرحد کی حفاظت کرے کیونکہ یہ مقام  
کوہستانی اور میدانی علاقوں میں حد فاصل تھا۔

حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ مسلمان اپنی فتوحات کو سواد عراق تک محدود رکھیں۔ ایک خط  
میں انھوں نے لکھا بھی تھا کہ کاش ہمارے اور غنیم کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہوتی کہ نہ ہم  
ان کی طرف بڑھتے نہ وہ ہماری طرف۔ مجھے مسلمانوں کی سلامتی مال غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت سعد نے اپنے کاتب زیاد کے ہمراہ جس غنیمت مدینہ کو روانہ کیا۔ زیاد نے حضرت عمر سے مفصل حالات بیان کئے۔ وہ ان کی فصاحت سے خوش ہوئے اور پوچھا کہ مجمع عام میں اسی طرح بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا کہ دنیا میں کسی شخص کا رعب میرے اوپر اتنا نہیں ہے جتنا آپ کا جب میں نے آپ کے سامنے بیان کر لیا تو اوروں کے سامنے کیوں نہ بیان کر سکوں گی۔ چنانچہ انہوں نے مجمع عام میں تمام حالات جنگ سنائے۔ اس وقت شام ہو گئی تھی اس لئے مال غنیمت رکھ دیا گیا۔ صبح کو تقسیم ہوا۔ درہم اور دینار کے علاوہ جو اہرات کے ڈھیر تھے۔ حضرت عمران کو دیکھ کر روسے لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے ساتھ ہی ساتھ رشک و حسد بھی آتے ہیں۔

سعد نے مدائن سے عبداللہ بن معتم کے ہمراہ ایک فوج تکریت کی طرف روانہ کی وہاں ایرانی جمع تھے اور اردگرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا اس درمیان میں جو بیس حملے کئے اور ہر ایک میں کامیاب ہے۔ ایرانیوں کے ساتھ نصارائے عرب بھی شریک تھے انہوں نے ابن معتم سے صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ جب تم ہماری تکبیر سناؤ تو خود اللہ اکبر کے نعرے لگا دینا۔ دوسرے دن جب مسلمانوں نے خندق کی طرف ہجوم کیا اور تکبیر بکاری تو ان نصاریٰ نے بھی اُدھر سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ ایرانیوں کو یہ شبہ ہوا کہ پیچھے سے بھی مسلمان آگئے اس لئے وہ بھاگتے ہوئے اُدھر آئے جدھر ابن معتم کی فوج تھی مسلمان ٹوٹ پڑے اور بے شمار ایرانی قتل ہوئے۔

مدائن سے ایک دوسرا دستہ حضرت عمر کے بھائی ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں مابیلین کی طرف گیا اور اس شہر کو فتح کیا۔ عمر بن مالک بھی تھوڑی سی فوج لئے ہوئے ہیت اور قریبا کی طرف گئے اور ان مقاموں پر قبضہ کیا۔ اطراف و دیار کے باشندوں نے آکر جزیہ پر مصالحت کی تمام خطہ عراق میں امن قائم ہو گیا۔ انتظام کے لئے عمال مقرر کر دئے گئے اور رعایا اطینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئی۔ سرحدوں کی حفاظت کیلئے بھی جا بجا فوجیں متعین کر دی گئیں۔



## آبادی کوفہ

عراق سے جو لوگ مدینہ آتے تھے حضرت عمران کے رنگ کو متغیر اور ان کے جسم کو کمزور پاتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سواحلِ رجبہ کی آب و ہوا اہل عرب کو اس نہیں آئی اس لئے سعد کو حکم بھیجا کہ سلمان اور خلیفہ کو بھیجو کہ وہ دریائے فرات کے مغرب میں کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں پانی کے لئے مناسب ہو اور میرے اور ان کے درمیان میں پانی اور پل حاصل نہ ہو۔ سعد نے ان دونوں آدمیوں کو روانہ کیا۔ وہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں کوفہ آباد کیا گیا۔ یہ ریتلی زمین تھی جس میں سنگریزے ملے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ دعا کی اور سعد کو مطلع کیا۔ انہوں نے خلیفہ کو لکھا۔ حکم آیا کہ فوجیں لے کر اسی مقام پر چلے جاؤ۔ وہ سب کو ساتھ لے کر محرم ۱۱ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قیام کیا۔

حضرت عمر کی رائے تھی کہ فوج خیموں میں رہے۔ پھر انہوں نے چھپر بنانے کی اجازت دی۔ مگر ایک بار آتش زدگی کا حادثہ ہوا جس سے سخت نقصان ہو گیا۔ اس لئے ابو الہیاج کو بھیجا کہ وہ اینٹ اور گارے سے شہر کے مکانات تعمیر کرائیں پہلے بیچ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کے چاروں طرف بقدر ایک ایک تیر کے پتھر کے کھنڈ پتھر کے شہر کی تعمیر شروع کی گئی۔ بڑی بڑی ٹھیکیں چالیس ہاتھ۔ درمیانی تیس ہاتھ۔ اس سے چھوٹی بیس ہاتھ اور گلیاں سات ہاتھ عرض کی رکھی گئیں۔ مسجد سے لمحوں دو سو ہاتھ لمبا ایک سائبان بنایا گیا جس میں سنگ مرخ کے ستون ایوان کسرے سے لاکر لگائے گئے حضرت عمر نے باوجود اس کے کہ ان ستونوں کا کوئی وارث نہ تھا ان کی قیمت ایرانی رعایا کی جزیہ میں بجا کر دی اسی کے ساتھ بیت المال تھا جس کے سامنے حضرت سعد کے لئے ایک مکان بنایا گیا۔

بصرہ میں اگرچہ سلمان ۱۱ھ میں آگئے تھے۔ لیکن اس کی آبادی بھی کوفہ کے ساتھ اور اسی روش پر ہوئی۔ اس وقت سے یہ دونوں مقامات فوجوں کے مرکز مقرر کئے گئے۔ جہاں سے مشرقی مہات کے لئے لشکر بھیجے جاتے تھے۔

## جزیرہ

خلیفہ کے حکم سے کوفہ سے فوج کے تین دستے روانہ کئے گئے۔ پہلا ہسبل بن عدی کی ماتحتی میں رقبہ کی طرف دوسرا عبداللہ بن عثمان کے ساتھ تفضیبین کو تیسرا عقبہ بن ولید کے ہمراہ جزیرہ کے عربی باشندوں کو دبانے کے لئے ان تینوں لشکروں کے سپہ سالار عام حضرت عیاض بن غنم تھے ان فوجوں کے بھیجنے سے حضرت عمر کا مقصد یہ تھا کہ جزیرہ سے جو عیسائی عرب حمص میں جا کر رومی فوجوں کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں وہ نہ جاسکیں چنانچہ جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کے دیار پر لشکر کشی ہوئی ہے تو واپس آگئے۔ اور شام کی اسلامی فوجوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

عیاض جب مقام رہا میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جزیرہ پر صلح کر لی حران والوں نے بھی یہی کیا۔ پھر تفضیبین فتح ہوا۔

جزیرہ میں جو عرب بستے تھے ان میں سے بیشتر اپنی زمینیں چھوڑ کر رومی علاقوں میں چلے گئے ان کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ واپس آنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان سے جزیرہ نہ لیا جائے کیونکہ اس کو وہ ذلت سمجھتے ہیں۔ البتہ صدقہ کے نام سے دوسرے لوگوں سے دھگنا ہے وہیں گئے چونکہ مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو نفرت نہ دلائی جائے اس لئے خلیفہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ کہ ان سے صدقہ ہی کے نام سے لیا جائے اور جزیرہ کا ذکر نہ کیا جائے۔

## فتح ابھواز

خوزستان کا سب سے بڑا شہر ابھواز حد و دبصرہ پر واقع تھا۔ وہاں ہرمزان اپنی فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا جو کبھی کبھی اسلامی مقبوضہ میں بڑھ کر غارت گری کرتی تھیں۔ امیر دبصرہ عقبہ بن غرذان نے ان پر فوج کشی کرنے کے لئے حضرت سعد سے انداد طلب کی انھوں نے کمک بھیجی۔ ایرانی فوجوں نے مقابلہ میں شکست کھائی۔ ہرمزان نے ابھواز اور مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کے حوالہ کر کے صلح کی۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے معاہدے کو توڑ کر رومیوں کو ساتھ لیکر چڑھائی کی۔ عقبہ نے

حضرت عمر کو اطلاع دی۔ انھوں نے متواتر فوجیں بھیجیں۔ ابواز کے پل کے متصل ہرمزان کے مقابلہ میں صف آرائی ہوئی۔ وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگا۔

حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ ہرمزان نے عہد شکنی کہیں اس وجہ سے نہ کی ہو کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ پر سختی کی ہو۔ اس لئے عتبہ کو فرمان بھیجا کہ تم معتبر لوگوں کی ایک جماعت جس میں اس آدمی کو فہ کے بھی ہوں میرے پاس بھیجنا کہ میں ان سے اصلی کیفیت دریافت کر دوں عتبہ نے اس کی تعمیل کی اور وفد روانہ کیا حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ مسلمان اہل ذمہ پر ظلم تو نہیں کرتے انھوں نے جواب دیا کہ مطلق نہیں مسلمانوں کا برتاؤ قابل تعریف ہے۔ انھوں نے وفد کو واپس کیا اور عتبہ کو لکھا کہ لوگوں پر تاکید کھو کہ وہ ظلم اور بے وفائی سے بچیں ہم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ وفائے عہد سے دیا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ تمہیں ہم سے چھین لے ہم اس کے حکم کے مطابق چلیں گے تو ہماری مدد کرے گا۔

### فارس پر حملہ

حضرت علاء بن حضرمی بحرین کے امیر حضرت سعد بن وقاص کے حریف تھے خلیفہ اول کے وقت میں فتوحات ردت میں انھوں نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی تھی ادھر ہم عراق اور خاص کر قادیسیہ کی فتح سے جب حضرت سعد کی شہرت اور عظمت زیادہ ہو گئی تو ان کو رشک پیدا ہوا انہوں نے چاہا کہ میں بھی اہل عجم کے مقابلہ میں کوئی ایسا کارناما یاں انجام دوں کہ میرا تہبہ سعد سے کم نہ رہے یہ سوچ کر دوبار خلافت کی منظوری کے بغیر ہی بحرین سے کشتیوں پر فارس کی طرف ایک فوج بھیجی۔ جب یہ کنارے پر اتر کر اصطخر کی طرف بڑھی تو اہل فارس نے آکر گھیر لیا یہ لوگ لڑتے ہوئے آگے نکل آئے چونکہ فارسی لشکر ان کے درمیان حائل ہو گیا اس لئے مجبوراً خشکی کی راہ سے بصرہ کی طرف چلے۔ ادھر ایک ایرانی مرزبان شہرک راستہ روکے ہوئے پڑا تھا اس وجہ سے رک گئے۔ حضرت عمر کو جس وقت یہ اطلاع ملی تو ناراض ہو کر علاء بن حضرمی کو معزول کر دیا اور جو امران کے اوپر سے زیادہ شاق تھا اسی کا حکم دیا یعنی یہ کہ کوفہ میں جا کر سعد بن ابی وقاص کی ماتحتی میں رہیں اور عتبہ بن غزوہ ان والی بصرہ کو فرمان بھیجا کہ لشکر روانہ کر کے ان مسلمانوں کو جن کو علاء

بن حضرت نے تہی کی راہ سے بھیجا اور خشکی میں مھسور ہو گئے ہیں دشمنوں کے زور سے نکالیں عتبہ نے بارہ ہزار سپاہی ابوسبرہ کی ماتحتی میں بھیجے۔ وہ ساحل کے راستہ سے گئے شہرک کو شکست دی مھسورین کو ساتھ لے کر بصرہ واپس آئے اور وہاں سے ان کو بحرین پہنچا دیا۔

### رامہر مزوتستر

بادشاہ یزدگرد رے سے جا کر مرو میں مقیم ہوا اور وہاں عجمیوں کو عربوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ چنانچہ فارس اور خوزستان کے رؤساء نے باہم مراسلت کر کے ایک جتھا باندھا اور اہل عرب کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

امراء سرحد نے خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دی۔ انہوں نے سعد کے نام فرمان بھیجا کہ ایک لشکر گراں نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں خوزستان کی طرف روانہ کرو۔ نیز بصرہ کے والی کو بھی حکم لکھا کہ اسمیل بن عدی کی ماتحتی میں تم بھی ایک فوج اس طرف بھیجو۔ کوفہ اور بصرہ کی ان دونوں فوجوں کے سپہ سالار عام ابوسبرہ مقرر کئے گئے۔ نعمان راہرمز کی طرف بڑھے۔ بہرمرزان نے شکست کھائی۔ اور وہاں سے بھاگ کر تتر میں چلا گیا۔ نعمان نے پہنچ کر تتر کا محاصرہ کیا۔ بصرہ کی فوج بھی یہاں آگئی۔ کئی ہفتہ تک محاصرہ رہا۔ مسلمانوں نے دوران محاصرہ میں اسی حملہ کئے جن میں کہی ایرانی اور کہی مسلمان غائب رہتے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک رات کو اس نہر میں سے جو شہر میں سے گزرتی تھی داخل ہو کر فصیل کے دروازے کھول دیے اور شہر کے اندر گھس گئے۔ بہرمرزان نے اوپر کے برج سے پکارا کہ میں اس شرط پر اترنے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھ کو اپنے خلیفہ کے پاس بھیجو۔ وہ میری بابت جو حکم دیں گے میں اسی پر راضی ہوں۔ ابوسبرہ نے اس کو ایک وفد کے ہمراہ مدینہ میں بھیج دیا۔

حضرت عمر اس وقت اکیلے مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔ بہرمرزان یہ سمجھتا تھا کہ ان کا دربار بڑی شان و شوکت کا ہوگا۔ پوچھا کہ بادشاہ کہاں ہے؟ لوگ اس کو مسجد میں لے گئے اس نے دیکھا کہ نہ دربان ہے نہ پاسبان۔ اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ پوچھا کہ کیا یہ نبی ہیں لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں ہیں لیکن نبی کے طریقے پر چلتے ہیں حضرت عمر نے ترجمان کے توسط سے گفتگو

شروع کی۔ فرمایا کہ تم نے اپنی بے وفائیوں اور بد عہد یوں کا مزہ چکھا۔ ہر مزان نے کہا کہ اے عمر! جاہلیت میں جب نہ خدا تمہارے ساتھ تھا نہ ہمارے ساتھ ہم ہمیشہ تم پر غالب رہے۔ اب اس نے تمہارا ساتھ دے دیا اس لئے تم غالب آگئے۔

حضرت عمر نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ بار بار معاہدے کر کے ان کو توڑتے رہے۔

جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لئے پانی مانگا جب پیالہ دیا گیا تو اس کا ہاتھ کا پینے لگا۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کرو یا جاؤں حضرت عمر نے فرمایا۔

جب تک اس پانی کو تم نہیں پی لو گے قتل نہیں کئے جاؤ گے۔  
یہ سن کر اس نے اس پانی کو پھینک دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں تھی میں تو امان لینا چاہتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تم کو قتل کروں گا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ کو امان دے چکے۔ فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ لیکن انس بن مالک اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ یا امیر المؤمنین! جو الفاظ آپ نے فرمائے ان سے اس کو امان مل گئی۔ حضرت عمر نے کہا کہ افسوس ہے ہم کو پتہ بھی نہ لگا اور اس نے امان لے لی۔

اس کے بعد ہر مزان مسلمان ہو گیا اور کہا میں نے یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ قتل کے خوف سے اسلام لایا۔ حضرت عمر اس کی بد عہد یوں کی وجہ سے اس سے سخت ناراض تھے اور قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے اسلام لانے سے خوش ہو گئے۔ مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اور دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ ایران کے معاملات میں اس سے مشورے بھی لیا کرتے تھے۔

ہر مزان کے ساتھ جو وفد آیا تھا اس سے بھی حضرت عمر نے دریافت کیا کہ عجمی بار بار جو عہد شکنی کر ڈالتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ کچھ برابر تاؤ کرتے ہیں اہل وفد نے کہا کہ مسلمانوں نے عہد کی خلاف ورزی نہیں نہیں کی ہے اور بالعموم اہل ذمہ

کے ساتھ ان کا سلوک اچھا ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ پھر کیا بات ہے جو اہل عجم اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے۔ احنف بن قیس نے جواب دیا کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ جو علاقہ ہمارے ہاتھ میں آچکا ہے اسی پر ہم قناعت کریں اور آگے نہ بڑھیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ ابھی تک اپنے ملک میں موجود ہے وہ اہل عجم کو ہمارے خلاف اکسا تا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ بغاوت اور سرکشی کرتے رہتے ہیں کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں نہیں رہ سکتیں۔ اگر ہم کو عراق کے حدود سے آگے بڑھنے کی اجازت ملے اور ہم اس کو ملک سے باہر نکال کر اپنا تسلط جمالیں تو پھر ایرانی خاموش ہو جائیں گے اور ان کو کوئی بھڑکانے والا نہیں رہے گا۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا اور اب اصلی وجہ میری سمجھ میں آگئی اسی کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانی فوجیں نہادند میں جمع ہو رہی ہیں اس سے احنف کے قول کی اور بھی تصدیق ہو گئی۔

نہادند

یزدگرد اور بالعموم ایرانیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ عربوں کا سیلاب زیادہ سے زیادہ عراق کے حدود پر آکر رک جائے گا ایرانی سلطنت پر وہ پیش قدمی نہیں کر سکتے لیکن ان کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر مرد سے اس نے عجمی رہنماوں اور مرزبانوں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے۔ اور جا بجا سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ جنگ اور فراہم کئے۔ نہادند میں ان کا اجتماع ہوا یغمان بن مقرن تیس ہزار فوج لیکر ان کے مقابلہ کے لئے گئے نہایت ہولناک جنگ ہوئی میدان میں خون کی کثرت سے گھوڑوں کی ٹاپ پھسلنے لگی یغمان زخم کھا کر گھوڑے سے گرے۔ لیکن حکم دیا کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے آگے دشمنوں پر بڑھو۔ ان کے بجائے حذیفہ بن یمان نے علم سنبھالا شام کے وقت ایرانی فوج نے شکست کھائی۔ قعقاع فوج کے دستے لئے ہوئے ہمدان تک ان کے تعاقب میں گئے۔ اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتح کے بعد ایک سپاہی یغمان کے قریب سے گذرا۔ اتر کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے سیر اٹھایا۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ کیا ہوا اس نے کہا کہ فتح بہاگ اللہ کا شکر ہے

امیر المومنین کو جلد اس کی اطلاع بھیج دی جائے یہ کہ کب ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ حضرت عمر کو جب اس فتح کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے لیکن نغان کے غم میں بہت روئے۔ اس جنگ میں تقریباً تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد پھر وہ کوئی بڑی لڑائی نہیں لڑ سکے۔ اسی وجہ سے اس فتح کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔

### عام پیش قدمی

احنف بن قیس کی گفتگو کے بعد حضرت عمر کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یزدگرد ایران میں موجود ہے اس وقت تک ہمارے مفتوحہ حصوں میں فتنہ اور فساد فرو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انھوں نے بقیہ ایران پر لشکر کشی کا سامان کیا۔ سات علم تیار کئے اور سات سرداروں کو عطا کر کے فوجوں کے ساتھ ان کو مختلف مقامات کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

۱۔ احنف بن قیس خراسان۔

۲۔ مجاشع بن مسعود سلمی خزہ اردشیر و ساہور۔

۳۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی۔ اصطر۔

۴۔ ساریہ بن رہم کنانی فساد و درابجرد۔

۵۔ سہیل بن عدی کرمان۔

۶۔ عاصم بن عمرو سیستان۔

۷۔ حکیم بن عمیر تغلبی۔ مکران۔

یہ فوجیں آغاز شدہ میں روانگی کے لئے تیار ہو گئیں۔

### اصفہان

عبداللہ بن عبدہ فوج لے کر اصفہان کی طرف گئے تھے۔ وہاں کا سپہدار فاذ سفان تھا جب فریقین نے صف آرائی کی تو اس نے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ سپاہیوں کی جانیں ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اُدہم تم خود لڑ کر فیصلہ کر لیں۔ عبداللہ اس کے مقابلہ کے لئے گئے۔ اور کہا کہ پہلے

تم مجھ پر وار کر دیا مجھے اجازت دو اس نے کہا کہ میں وار کروں گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور تلوار چلائی۔ عبداللہ نے اس کو خالی دیا۔ لیکن گھوڑے کی تنگ کٹ گئی اور مع زمین کے نیچے آگئے۔ پھر اچھل کر تنگی پشت پر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب میری باری ہے سنبھل جاؤ اس نے کہا کہ بس میں نے آپ کو آزما لیا اب لڑنا نہیں چاہتا۔ شہر آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ جو جزیہ دے کر رہنا چاہے اس کو رہنا چاہے اس کو رہنے دیکھے اور جو نہ رہنا چاہے اس کو نکل جانے کی اجازت عطا فرمائیے۔ عبداللہ نے اس کو منظور کر کے صلح نامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد اصفہان میں انھوں نے ایک امیر مقرر کر دیا۔ اور خود حضرت عمر کے فرمان کے مطابق ہمیل بن عدی کی امداد کے لئے کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔

### آذربے جان

نعمان بن مقرن کے بھائی نعیم جس وقت ہمدان میں تھے ان کو اطلاع پہنچی کہ مقام واج رود میں جو ہمدان اور قرزویں کے درمیان صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے۔ ایرانی مجتمع ہو رہے ہیں اس لئے وہ فوج لے کر آگے بڑھے اور مقابلہ کیا۔ ہمدان کی طرح یہاں بھی سخت معرکہ پیش آیا۔ آخر میں ایرانیوں کو ہزیمت فاش ہوئی۔

نعیم دبار خلافت کے حکم کے مطابق رے کی طرف بڑھے وہاں کے رئیس زینبندی نے آکر صلح کر لی۔ انھوں نے رے میں قیام کیا۔ اور وہاں سے اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قوس کی طرف بھیجا وہ بلا جنگ کے فتح ہو گیا۔ نیز جرجان اور طبرستان کے لوگوں نے بھی آکر مصالحت کی۔

### باب

سراقہ بن عمرو آذربجان سے باب کی طرف جو صوبہ آرمینیہ سے متصل ہے بڑھے اور اس کا محاصرہ کیا۔ وہاں کارئیس شہر برازخودان کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایرانی نسل سے ہوں اور اہل آرمینیہ سے جو نہایت بد نسل کہتے اور کینہ ور ہیں مجھ کو کوئی تعلق نہیں۔ جب تمام ایران مفتوح ہو گیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں لیکن میرے اوپر جزیہ لگا کر مجھے ذلیل نہ کرو۔ بلکہ جب ضرورت ہو مجھ سے فوجی خدمت لو۔ سراقہ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ جزیہ سے ہر سال صرف وہی لوگ بری ہوں گے



جن سے اس سال فوجی کام لیا جائے گا حضرت عمر بھی اس مصالحت پر راضی ہو گئے یعنی جزیہ معاف کر کے اہل شرک سے جنگی امداد لینے کو انھوں نے جائز رکھا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر نے خالد اور ثنیٰ کو ان مسلمانوں کے فوج میں لینے سے بھی منع فرما دیا تھا جو ابتدا کی شورش میں پڑ گئے تھے۔ سراقہ نے یہاں سے تفلیس۔ موقان وغیرہ کی طرف جو آرمینیا کے سرحدی کوہستانی مقامات ہیں فوجیں روانہ کیں۔

### خراسان

یزدگرد و خراسان کے مشہور شہر مرو شاہجہاں میں مقیم تھا۔ اس نے وہاں کے رئیسوں اور زبانوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متفق کیا۔ احنف بن قیس حکم خراسان کا علم دیا گیا تھا ۲۲ھ میں وہاں پہنچے پہلا مقابلہ ہرات پر ہوا۔ دشمنوں کو شکست دے کر وہاں قبضہ کیا۔ پھر مرو کی طرف بڑھے یزدگرد مرو کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ترکستان اور چین کے بادشاہوں سے امداد مانگی۔ احنف بھی اس کے پیچھے آئے وہ بلخ کو چلا گیا۔ احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں گئے مقابلہ میں یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے جیوں اتر کر تاتاری حکومت میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمر نے احنف کو فرمان بھیجا کہ تم دریا سے آگے نہ بڑھو۔

یزدگرد نے چین اور ترکستان کے بادشاہوں سے مدد لے کر پھر مرو کو عبور کیا۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں تاتاری اس کو چھوڑ گئے۔ مجبوراً وہ اس پار چلا گیا مگر اس کے ساتھ کے خراسانیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور اپنے اپنے گھروں میں آکر اپنی اپنی ملکیتوں پر قابض ہو گئے۔ اسلامی عدل و انصاف کے سایہ میں ان کی حالت اس سے بہت بہتر ہو گئی۔ جیسی کہ ایرانی بادشاہوں کے عہد میں تھی۔

### دیگر فتوحات

ساریہ بن زبیر نے فنا اور دراجبرد کو فتح کیا عثمان بن ابی العاص نے نصطیہ بسمل بن عدی نے کرمان عاصم بن عمرو نے سیستان اور حکیم نے مکران کو۔ ان فتوحات سے اس

سرے سے لے کر اس سرے تک سارا ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

## شام

جنگ یرموک میں حضرت ابو بکر کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی خیر آگئی تھی یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ فوجیں لے کر فحل کی طرف بڑھے یہ مقام علاقہ اردن میں حوران اور فلسطین کے درمیان واقع ہے شکست خوردہ رومی یہیں جمع تھے۔ پہلے ہی حملے میں مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

## دمشق

یہ شہر زمانہ سابق سے تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے ارد گرد مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی مسلمانوں نے ہر طرف سے اس کا محاصرہ کیا۔ بڑے بڑے سردار جو شام کی فتح کے لئے مامور ہوئے تھے ایک ایک دروازہ پر اپنی اپنی فوجیں لیکر جم گئے۔ حضرت خالد پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب الشرق پر لکھے۔ وہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور شہر کی حالت کا دم بدم سراغ لیتے رہتے تھے۔

ایک رات ان کو یہ معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اہل شہر اس کے جشن میں مجتمع ہیں۔ انھوں نے موقع پا کر شہر پناہ کی خندق کو مشکوں کے ذریعہ تیر کر عبور کیا اور رسی کا زینہ بنا کر فصیل پر چڑھ گئے پھر اپنے چند ساتھیوں کو بھی اوپر چڑھا لیا۔ اور اندر اتر کر پہلے دربانوں کو قتل کیا۔ پھر دروازہ توڑ دیا مسلمان شہر میں گھس گئے رومیوں نے یہ دیکھ کر شہر پناہ کے دروازے کھول دئے اور جا کر حضرت ابو عبیدہ سے صلح کر لی۔ وہ صلحاً ایک طرف سے شہر میں داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالد فتح کرتے ہوئے وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

حضرت ابو عبیدہ نے چونکہ مصالحت کر لی تھی اور ان کو خالد کے اندر داخل ہو جانے کا حال نہیں معلوم ہوا تھا اس وجہ سے مفتوحہ حصہ بھی رقبہ صلح میں شامل کر دیا۔ یعنی مال غنیمت واپس کر دیا اور قیدی چھوڑ دئے۔

### مرج روم

دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار تو ذرا اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد رکھے۔ صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ تو ذرا اپنی فوجیں لیکر دمشق کی طرف بڑھ گیا۔ اس لئے ابو عبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔ یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے جب تو ذرا کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے عین معرکہ میں پیچھے سے حضرت خالد پہنچ گئے رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا۔ یزید دمشق کی طرف واپس گئے اور خالد ابو عبیدہ کی فوج میں آ کر شامل ہو گئے۔

### حصص

حصص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا جاوے گا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے مجبور ہو کر اہل حصص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

### قنسرین

حصص سے خالد قنسرین کی طرف گئے۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں۔ ان کا سردار بیاس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا خالد نے ان کو شکست دی۔ بیاس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل باقی ماندہ گرفتار ہو گئی۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا رٹنے کا مطلق خیال نہ تھا بیاس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔

وہاں سے قنسرین پہنچے وہ لوگ قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے محاصرہ کیا اور کہا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے بچ نہیں سکتے یا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تم تک پہنچائے گا۔

ان کے ساتھ جانا چاہیے اس کو بھی امان ہے۔ وغیرہ ۱۵ھ میں عہد نامہ لکھا گیا۔ خالد بن ولید

عمرو بن عاص۔ عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں۔

جانبیہ سے بیت المقدس کو گئے وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے وہ ان کے لئے ایک تر کی گھوڑا اور قیمتی لباس لائے حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم کو جو عزت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

بیت المقدس میں کینسہ قمارہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا تبرک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انہوں نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی۔ اس کے بعد تبرک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کینسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی تھی پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو۔

تبرک اور نیز اہل رائے کے مشورے سے مقام صحرہ کو جہاں حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس پہ خاک اور دھول بہت تھی حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہو گئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو اب تک مسجد عمر کے نام سے موجود ہے۔

بیت المقدس میں حضرت عمر نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امرائے جس طرح وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نبایا اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی فدائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی۔

طاعون عمواس

۱۷ھ میں دوبارہ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے جب مقام سرخ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی

## مرج روم

دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار تو ذرا اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد تھے۔ صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ تو ذرا اپنی فوجیں لیکر دمشق کی طرف بڑھ گیا اس لئے ابو عبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔ یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے جب تو ذرا کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے عین معرکہ میں پیچھے سے حضرت خالد پہنچ گئے رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا یزید دمشق کی طرف واپس گئے اور خالد ابو عبیدہ کی فوج میں آ کر شامل ہو گئے۔

## حمص

حمص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا جاٹے کا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے مجبور ہو کر اہل حمص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

## قنسرین

حمص سے خالد قنسرین کی طرف گئے۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں۔ ان کا سردار میناس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا خالد نے ان کو شکست دی میناس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل باقی ماندہ گرفتار ہو گئی۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا لڑنے کا مطلق خیال نہ تھا میناس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔ وہاں سے قنسرین پہنچے وہ لوگ قلعہ گیر ہو گئے۔ خالد نے محاصرہ کیا اور کہا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے بچ نہیں سکتے یا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تم تک پہنچا دے گا۔

ان کے ساتھ جانا چاہیے اس کو بھی امان ہے۔ وغیرہ ۱۵۰ میں عہد نامہ لکھا گیا۔ خالد بن ولید

عمرو بن عاص عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں۔

جابیہ سے بیت المقدس کو گئے وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے وہ ان کے لئے ایک تر کی گھوڑا اور قیمتی لباس لائے حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم کو جو عزت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

بیت المقدس میں کینیسہ قمارہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا تبرک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انہوں نے باہر نکل کر زینہ پر تہا نماز ادا کی۔ اس کے بعد تبرک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کینیسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کر لیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی تھی پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو۔

تبرک اور نیز اہل زائے کے مشورے سے مقام صحرہ کو جہاں حضرت یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا۔ اس پر خاک اور دھول بہت تھی حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہو گئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو ایک مسیحی عمر کے نام سے موجود ہے۔

بیت المقدس میں حضرت عمر نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امراء نے جس طرح وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نبایا اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی فرائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی۔

طاعون عمواس

۱۵۰ میں دوبارہ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے جب مقام سرخ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی

زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں۔ بہت قیل و قال کے بعد واپسی کی رائے قرار پائی حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الہی سے فرار ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الہی سے تقدیر الہی کی طرف! اے ابو عبیدہ کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا۔

دوسرے دن صبح کو عبد الرحمن بن عوف آگے بڑھ کر کی بخت میں شریک نہیں تھے۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تمہاری بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو حضرت عمر نے یہ سن کر اللہ کا شکر یہ ادا کیا اور مدینہ واپس آئے۔

یہ وبا طاعون عمو اس کے نام سے مشہور ہے بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہوئے اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور ان کے بیٹے عتبہ سب اس میں مبتلا ہو کر گذر گئے۔ آخر میں عمر دین عاص فوج لے کر بہار پر چلے گئے اور ان کو جا بجا متفرق کر دیا اس وقت اس سے نجات ملی۔

طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ان کا غلام یرقہ ان کے ساتھ تھا۔ جن وقت پہنچے ہیں اپنی سواری اس کو دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر ملکی اور فوجی انتظامات کئے۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مردوں کا مال و اسباب ان کے ورثاء کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں۔

ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلالؓ سے اذان کہلائیے خلیفہ کے حکم سے انہوں نے اذان دی۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے لوگوں پر رقت

گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا۔ ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی جو آئین رزم و پیکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلات جنگ اور فوجی ساز و سامان سے مسلح و آراستہ تھی۔ سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

رومیوں کا بھی یہی حال تھا وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدان جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنون حرب میں مشاق اور میدان جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہل عرب کی کیفیت تھی کہ کسی اور معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لاسکے مگر بکتر۔ چلتے جوشن۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانے میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کے بناتے تھے۔ گرز و کندسے نا آشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ سے ناواقف۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انھی کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرچے اڑا دیئے۔

ہادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرت کی صحبت پاک کے اثر سے بے نظیر بہت ایشیا استقلال۔ عالی حوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوئی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوام عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی



زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں۔ بہت قیل و قال کے بعد ایسی کی رائے قرار پائی حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الہی سے فرار ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الہی سے تقدیر الہی کی طرف! اے ابو عبیدہ کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا۔

دوسرے دن صبح کو عبدالرحمن بن عوف آگے جوکل کی بحث میں شریک نہیں تھے۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمہاری بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو حضرت عمر نے یہ سنا کہ اللہ کا شکر یہ ادا کیا اور مدینہ واپس آئے۔

یہ وبا طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہوئے اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ، معاذ بن جبل، زید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور ان کے بیٹے عتبہ سب اسی میں مبتلا ہو کر گذر گئے۔ آخر میں عمرو بن عاص فوج لے کر بہار پر چلے گئے اور ان کو جا بجا متفرق کر دیا اس وقت اس سے نجات ملی۔

طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف ان کا غلام یرقہ ان کے ساتھ تھا۔ جس وقت پہنچے ہیں اپنی سواری اس کو دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر ملکی اڈے فوجی انتظامات کئے۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔ مردوں کا مال و اسباب ان کے ورثاء کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں۔

ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلالؓ سے اذان کہلائیے خلیفہ کے حکم سے انھوں نے اذان دی۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے لوگوں پر رقت

گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا۔ ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی جو آئین رزم و پیکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلات جنگ اور فوجی ساز و سامان سے مسلح و آراستہ تھی سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

رومیوں کا بھی یہی حال تھا وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدان جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنون حرب میں مشاق اور میدان جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہل عرب کی کیفیت تھی کہ کسی اور معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لاسکے مذرہ بکتر۔ چلتہ جوشن۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانے میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کے بناتے تھے۔ گرز و کند سے نا آشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ کے ناواقف۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انھی کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرچھے اڑا دیئے۔

ہادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرت کی صحبت پاک کے اثر سے بے نظیر بہت ایشیا، استقلال۔ عالی جوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوئی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوام عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی

طاقت ہو سکتی تھی جو ان کی ٹکر کو اٹھا سکتی۔

ہر ملک کی رعایا ان کی عدل و انصاف اور وفاداری اور راستبازی کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو جاتی تھی بلکہ ان میں سے اکثر اسلام قبول کر کے اس لشکرِ حق میں شریک ہو جاتے تھے باجزیہ دینا قبول کر لیتے تھے۔

لیکن یہ امتِ عربیہ کی تعریف ہے حضرت عمر کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے امت کے ان صفاتِ عالیہ کی تربیت کی اور ان سے کام لیا اور نہ یہی لوگ ان کے بعد بھی تو تھے مگر وہ شان کہاں رہی۔ فاروق اعظم گو بذاتِ خود ان لڑائیوں میں سے کسی ایک میں بھی شریک نہیں ہو سکے لیکن ان کی دور بین نگاہ ان فوجوں کے جو ایران و روم میں مصروف پیکار تھیں جزی سے جزی واقعہ کی طرف بھی رہتی تھی سلسلہ وار ہدایات اور احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کی حالت اگر عورت سے دیکھی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فوجوں کے اصلی سپہ سالار وہی تھے اور دینیہ میں بیٹھے ہوئے ان کو پوری توجہ کے ساتھ دونوں طرف لڑا رہتے تھے۔

دنیا میں اور جو بڑے بڑے فاتح ہوئے ہیں ان کو دیکھو تو وہ حضرت عمر کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے کارنامے سفاکیوں اور خونریزیوں سے لبریز ہیں اور ان کی فتوحات اسلامی اصول کی پابندی کے ساتھ ہوئیں جن میں ناجائز خون کا ایک قطرہ اور انصافی کا ایک داغ نظر نہیں آتا۔ اس احتیاط کے ساتھ دنیا میں زمین کا ایک چپہ بھی کسی کشور کشانے لیا؟

### جمہوریت

اسلام کل بنی نوع انسان کو جو اس کے حدود میں داخل ہوں مساوات عطا کرتا ہے حضرت عمر کے زمانہ میں عمال حکومت بلکہ خود خلیفہ بھی ایک معمولی رعایا کے برابر تھا ہر شخص کو اس کے اوپر نکتہ چینی کا اختیار تھا اور یہی وہ چیز ہے جو جمہوریت کی اصلی روح ہے۔

(وہ کسی امر کو بذاتِ خود بلا مشورہ کے طے نہیں کرتے تھے بلکہ مہاجرین اور انصاریوں سے ہر کام میں رائے لیتے تھے۔ اور جب کوئی بڑی مہم پیش آ جاتی تھی تو مسلمانوں کے مجمع عام میں

اس کو پیش کرتے تھے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کوئی صحیح رائے دیتا تھا تو اس کو فوراً مان لیتے تھے۔ ایک بار جب انھوں نے دیکھا کہ لوگوں نے عورتوں کے بہروں میں بہت اضافہ کر دیا ہے چاہا کہ کوئی خاص حد مقرر کر دیں مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان فرمایا کسی کو نے سے ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیا! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

وَأَنْتُمْ أَحَدٌ مِّنْ قَبْطَارٍ أَفْلَا تَأْخُذُونَ  
اور تم نے ان بیویوں میں سے کسی کو بہت سا مال دے دیا تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

یہ سن کر بول اٹھے کہ عورت نے سچ کہا۔ عمر غلطی پر تھا۔ ہمیشہ لوگوں سے یہ کہتے رہتے تھے کہ جو خیر خواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچاؤ۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے راہِ حق دکھاؤ اور جو حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔

ایک بار مسجد میں اسی قسم کی تقریر کی۔ ایک شخص نے اٹھ کر تلوار کھینچ لی۔ اور کہا کہ اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے تو ہم اس کے ذریعہ سے راہِ راست پر لائیں گے۔ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میں اگر کج روی اختیار کروں تو وہ مجھے سیدھا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(صحابہ کبار میں سے صاحبانِ عقل مرادے مثلاً حضرت عباس، عبدالرحمن بن عوف، عثمان اور علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو مشورہ کی غرض سے سفر اور حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے) اجتماعیات کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی مجلسیں مخصوص اشخاص پر محدود نہیں ہونی چاہئیں بلکہ ہر قسم کے لوگ باہم مل کر بیٹھا کریں کیونکہ چند اشخاص جب اپنی محفل کو مخصوص کر لیتے ہیں تو ان کی رائے عام رائے سے الگ ہو جاتی ہے اور اس اختلاف رائے کا نتیجہ ہے تفریق۔ اس لئے نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مجلسوں کو عام رکھو اور سب باہم مل کر بیٹھو اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور اتحاد و اتفاق قائم اور دشمنوں پر رعب غالب رہے گا ایسا نہ ہو کہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ کہیں کہ فلاں کی رائے یہ تھی اور فلاں کا خیال یہ تھا۔ کیونکہ

ہں سے اسلام کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

### عمال حکومت

حضرت عمر امراء کی مصلحت خاصہ پر رعایا کی بہبود عامہ کو مرجح سمجھتے تھے! ان کی نگاہ میں والی بھی رعایا کا ایک فرد تھا۔ اس کے اوپر بھی قانون عدل اسی قدر حاوی تھا جس قدر دوسرے لوگوں پر ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی عامل کی شکایت کر دیتا تھا تو عدل فاروقی اس عامل کو لا کر اس کے برابر کھڑا کر دیتا تھا اور پھر جس سزا کا وہ مستوجب ٹھہرتا اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

مدیرین ریاست کی رائیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں بعض لوگ معمولی باتوں پر عمال حکومت کی گرفت کو سلطنت کے رعب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے اس وقت جبکہ ملک میں کسی قسم کا اضطراب ہو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں مصلحت عامہ کے لئے عمال کا رعب مفید ہوتا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق اپنے امراء کے اقتدار کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے کیونکہ ان کے عہد میں جا بجا شورشیں برپا تھیں لیکن حضرت عمر مسادات کے عاشق تھے اور ان کا عہد بھی اندرونی شورش سے پاک تھا۔ اس لئے وہ بڑے سے بڑے والی اور امیر اور ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کے فقیر کو یکساں سمجھتے تھے۔

جب وہ کسی کو کسی ناحیہ کا عامل مقرر کرتے تھے تو اس کو اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ خود اس کو رخصت کرنے کے لئے جاتے تھے اور روانگی کے وقت تک مسادات اور عدل کا سبق دیتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے مجمع عام میں بار بار اس کی تصریح کرتے تھے کہ عمال اس لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ امت کو دین کی تعلیم دیں سنت پر چلائیں یا غنیمت تقسیم کریں خراج اور زکوٰۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچائیں نہ کہ خود اس میں سے اپنا حصہ لگائیں یا رعایا کو ستائیں۔ اگر میرے پاس اس قسم کی کوئی شکایت کسی والی کی آئی تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اس کو ضرور اس کی سزا دوں گا۔

حضرت عمرو بن فاضل نے کہا کہ اگر کوئی امیر اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب دینے کے

لئے سزا دے تو کیا آپ اس کا بدلہ لیں گے؟ فرمایا کہ ہاں! ضرور بدلہ لوں گا میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بدلہ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے میں یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہوں کہ کوئی امیر کسی شخص کو ذلیل کرے یا مارے یا اس کا حق برباد کرے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عام حکم دے رکھا تھا کہ امراء اور عمال ہر سال حج کے موسم میں مکہ میں آ کر مجھ سے ملیں وہاں جس شخص کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اس رسوائی عام سے ڈر کر ان کے عہد میں ملک کے تمام کارپردازانصاف احتیاط اور عدل و مساوات کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔

جس امیر کی شکایت ان کے پاس پہنچتی تھی اس کو بلا کر پوری تفتیش کرتے تھے۔ حضرت سعد فاتح قادسیہ مدائن کی جب شکایت ہوئی تو ان کو بلا کر مجمع عام میں تحقیقات کی اور جب وہ بری ثابت ہوئے تو فرمایا کہ اے سعد! امیر اگمان بھی تمہارے متعلق یہی تھا مغیرہ بن شعبہ والی بصرہ چیب الزام لگایا گیا تو ان کو بھی طلب کیا۔ گواہ جھوٹے ثابت ہوئے لہذا ان پر حد شرعی جاری کی۔ عمار بن یاسر والی کوفہ کی شکایت ہوئی کہ یہ طرز حکومت سے واقف نہیں ہیں ان کو بلا کر چند سوالات کے معلوم ہوا کہ شکایت صحیح ہے اس لئے معزول کر دیا۔ عمرو بن عاص والی مصر پر ایک قبلی نے ناش کی کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے بلا وجہ مجمع عام میں مجھ کو مارا دونوں باپ بیٹیوں کو مصر سے طلب کیا اور عبداللہ کو سزا دی۔

بجز چند امراء کے جن میں ابو عبیدہ اور امیر معاد یہ ممتاز تھے ان کے عہد میں کوئی عامل یا والی ان کی باز پرس سے محفوظ نہیں رہا۔

ان سب پر مزید یہ کہ انہوں نے محمد بن مسلمہ کو جن پر وہ کامل اعتماد رکھتے تھے امراء اور عمال کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ ہر جگہ کا دورہ کرتے تھے بہر شخص کو کامل آزادی تھی کہ ان کے پاس جا کر عامل کی جو شکایت ہو بلا کم و کاست بیان کرے وہ علی رؤس الاشهاد اس کی تحقیقات کرتے تھے حضرت عمر کا ہاتھ اس قدر قوی تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی والی اپنے اقتدار

کی وجہ سے کسی شہادت پر اثر ڈال سکے۔  
 عمال کی آمدنی اور خرچ اور ان کی ثروت پر بھی نظر رکھتے تھے۔ اگر کسی کے  
 پاس آمدنی سے زیادہ ذخیرہ دیکھتے تھے تو اس سے پرسش کرتے تھے۔ کارپردازان  
 حکومت کو تجارت کی قطعی اجازت نہ تھی۔  
 یہی خواہی امت

حضرت عمر جس قدر امراء اور عمال کے لئے سخت تھے اسی قدر رعایا کے لئے نرم۔ ان  
 کی بہبود اور فلاح کے خیال میں ہمیشہ غرق رہتے تھے اور خلافت کی عظیم شان ذمہ داری کا ان  
 کو حد سے زیادہ احساس تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر ساحل فرات پر بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے  
 تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔  
 قبائل کے دفاتر خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو نام بنام بلا کر خود  
 ان کے ہاتھوں میں ان کا وظیفہ دیتے تھے۔ نواح مدینہ میں راتوں کو گشت لگاتے تھے اور اکثر  
 جب کوئی قافلہ وہاں آکر اترتا تھا تو خود جا کر رات کو پاسہانی کرتے تھے۔

ایک رات اپنے غلام اسلم کو لیکر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام صرار میں پہنچے دیکھا کہ  
 ایک خیمہ میں ایک بڑھیا کچھ پکار رہی ہے اور چند بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ قریب جا کر  
 کیفیت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ یہ بچے بھوک کے مارے رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ہانڈی میں  
 کیا پک رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بچوں کو بہلانے کے واسطے خالی پانی چڑھا دیا ہے  
 کہ کھانے کی امید میں ان کا جی بہل جائے اور سو جائیں۔ اس نے کہا کہ اٹھے اور اپنے غلام کو ساتھ لے سونے  
 فوراً مدینہ واپس آئے۔ بیت المال کا دروازہ کھولا۔ آٹے کا تھیلا اور گھی کا برتن اٹھایا۔ غلام نے  
 کہا کہ میرے کندھے پر رکھ دیجئے۔ فرمایا کہ کیا قیامت میں بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے۔ خود لاکر بڑھیا  
 کے سامنے رکھ دیا اور چولہا بھونکنے لگے۔ اس نے پکار کر بچوں کو کھلایا۔ جب کھا کر خوش ہو گئے  
 اور مہنے اور کھیلنے لگے تو وہاں سے واپس چلے۔ بڑھیا نے کہا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے خلیفہ

تم کو ہونا چاہیے نہ کہ عمر کو۔ فرمایا کہ کل تم مدینہ میں اپنے بچوں کو لے کر خلیفہ کے پاس آؤ۔ وہاں انشا اللہ میں ملوں گا۔ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے گا۔

ہر چند کہ یہ جزی واقعات ہیں لیکن ان سے ان کی رعیت پروری اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فرض اور مسئولیت کا کس قدر ان کو احساس اور خوف تھا۔

باوجود اس شفقت اور رحمت کے ان کی ہیبت اس قدر دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے امراء ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور زیادہ تر حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف کے توسط سے اپنے معاملات ان تک پہنچاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صرف ایک درہ یعنی ایک چھوٹا عصارہ تھا جس کا خوف لوگوں کے اوپر تیغ و دم سے بھی زیادہ تھا اور بجز چند صحابہ کبار کے اس سے بچے بھی کم لوگ تھے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ خلیفہ کا رعب ہمارے اوپر اس قدر ہے کہ ہم ان کے آگے لب نہیں ہلا سکتے بلکہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے۔ انھوں نے حضرت عمر سے اس کو بیان کیا فرمایا اللہ جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں خود ان سے ڈرتا ہوں کیونکہ ان کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔

ایک شخص جو نہ محافظ رکھتا ہونہ دربان نہ اس کے پاس نیزہ ہونہ تلوار۔ لباس میں پیوند در پیوند لگے ہوئے ہوں۔ ادنیٰ ادنیٰ رعیت کی خود خدمت کرتا ہوں اس کے رعب کا یہ عالم۔ اس کو سوائے جلال حق کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

### بیت المال کی حفاظت

حضرت عمر جس طرح خود عدل و مساوات کے عاشق تھے اسی طرح یہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان اس کا خیال رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی مثال سے اس کو لوگوں کے خاطر نشین کرنا چاہتے تھے۔ بیت المال کے خزانہ کو سوائے مستحقین کے اور کسی کے لئے حلال نہیں سمجھتے تھے خود اپنے اخراجات کے لئے اس قدر کم رقم لیتے تھے کہ نہایت تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ جو کی روٹی



ان کی غذا تھی اور زیون کا تیل ان کا سالن حضرت عثمان اور زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ترس کھا کر ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمارا نام ظاہر نہ کریں۔ لیکن اپنے باپ سے جا کر یہ کہیں کہ لوگوں کی ذائے یہ ہے کہ آپ بیت المال سے جو روزینہ لیتے ہیں وہ آپ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس میں کچھ اور اضافہ کیجئے۔ انھوں نے جا کر جب کہا تو فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایسی ترغیب دیتے ہیں میں ان کی خبر لوں گا حضرت حفصہ نے کہا کہ ان کا نام ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ فرمایا کہ اچھا تم میرے اور ان کے درمیان میں ہو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کئے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے پھر جب انھوں نے فضولیات دنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے بھی اسی حالت میں رہنے دو میری مثال یہ ہے کہ تین ساتھی ایک منزل کی طرف چلے۔ پہلا پہنچ گیا۔ دوسرا بھی اس کے پیچھے گیا وہ بھی پہنچ گیا۔ اب میں بھی اگر اسی توشہ پر راضی ہو کر اسی راستہ پر چلوں گا تو اپنے ساتھیوں سے جا ملوں گا۔ نہیں تو بھٹک کر دور جا پڑوں گا۔

اپنے اہل و عیال کو بھی وہ اپنی ہی طرح رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ عراق کی فوج میں تھے جب مدینہ واپس آنے لگے تو بصرہ کے والی ابو موسیٰ اشعری نے ان سے کہا کہ یہاں خزانہ میں ایک رقم جمع ہے جس کو میں خلیفہ کے پاس بیت المال میں بھجوانا چاہتا ہوں تم اس کو لیکر یہاں سے کوئی تجارتی سامان خرید لو۔ مدینہ میں پہنچ کر اسکو فروخت کر کے اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا اور نفع خود لے لینا۔ ان دونوں بھائیوں نے ایسا ہی کیا حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ اس کا نفع کہاں ہے۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ مال والی بصرہ نے ہم کو قرض دیا تھا۔ یہاں آ کر ہم نے وہ قرض ادا کر دیا۔ فرمایا کہ صرف امیر المومنین کے بیٹوں کو قرض دیا گیا تھا یا ساری فوج کو۔ یہ سن کر عبید اللہ خاموش ہو گئے۔ لیکن عبید اللہ نے کہا کہ اس کی ذمہ داری بھی تو ہمارے اوپر تھی۔ اگر نقصان ہوتا یا یہ مال ضائع ہو جاتا تو ہم کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑتا۔ اس پر لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ منافع میں سے نصف ان لوگوں کو دیا جائے اور نصف

بیت المال میں داخل ہو۔

اسی طرح جب ایک باقبصر روم کو خط بھیجا تو ان کی بیوی ام کلثوم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی تھیں اسی قاصد کے ہاتھ اپنی طرف سے ملکہ روم کے لئے کچھ تحفے بھیجے وہاں سے قبصرہ نے ان کے لئے ہدیہ بھیجا جس میں موتی کی ایک بیش قیمت مالا بھی تھی۔ حضرت عمر کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ملکہ روم کا ہدیہ ہے جو نہ آپ کے زیر فرمان ہے نہ اس کے مال سے آپ کو کچھ تعلق ہے فرمایا کہ قاصد مسلمانوں کا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے دئے گئے تھے ام کلثوم کو صرف اس قدر دلا دیا جتنا ان کا صرفہ پڑا تھا۔

یہ سب تشدد اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر اس لئے تھا کہ لوگوں کو اس بات کا سبق دیں کہ مسلمانوں کے مال سے وہ پرہیز کریں اور بلا استحقاق اس کو نہ لیں جب وہ مسلمانوں کو کسی بات سے منع کرتے تھے تو گھر میں آکر اپنے عیال کو جمع کر کے کہہ دیتے تھے کہ دیکھو لوگوں کو میں نے فلاں چیز سے منع کیا ہے تم اس کے قریب نہ جانا۔ سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم میں سے اگر کوئی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کو دوزخ سزا دوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے امت عربیہ کی صحیح تشخیص کی۔ اور سیدھے راستہ پر ان کو چلایا۔ ان کی مثال اس نسخہ کامل کی تھی جس کے تمام اجزاء مریض کی صحت کے لئے ضروری ہوتے ہیں کہ اگر اس میں سے کوئی دوا کم کر دی جائے تو پھر اس کا وہ اثر باقی نہیں رہتا۔ زمانہ مابعد میں خلفاء اسلام میں سے کوئی فاروق اعظم جیسا مجموعہ کمالات نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ امت کسی کے عہد میں اتنے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکی!

بیتِ عمر

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت مطلقہ سے جو بنی جمح میں سے تھیں نکاح کیا۔ ان سے عبداللہ بن عبد الرحمن اکبر اور ام المومنین حفصہ پیدا ہوئیں یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ مکہ میں ہجرت سے پہلے انتقال کر گئیں۔

دوسری بیوی ملیکہ بنت جردل جزاعی تھیں۔ ان سے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ تیسری بیوی قمریہ  
 مخزومیہ تھیں ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں طلاق دے دی۔  
 مدینہ میں حبلیہ بنت قیس انصاریہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بطن سے عام تھے پھر  
 حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم سے عقد کیا۔ ان سے زید اور رقیہ دو بچے ہوئے۔ لیکن دونوں  
 بلا اولاد کے گزر گئے۔ لہٰذا یہی سے نکاح کیا ان سے عبدالرحمن اصغر پیدا ہوئے۔ تیسری  
 بیوی عاتکہ بنت زید تھیں۔

### وفات

مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام ابولو لوفیروز نامی تھا۔ اس نے  
 ایک بار حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ پر محصول زیادہ لگا رکھا ہے اس کو کم  
 کر دیجئے۔ پوچھا کہ کس قدر ہے اس نے کہا کہ دو درہم روزانہ۔ کہا کہ تم کام کیا کرتے ہو  
 اس نے جواب دیا کہ بخاری۔ نقاشی اور آہنگری۔ فرمایا کہ ان دستکاریوں کے ساتھ تو  
 دو درہم کچھ زیادہ نہیں۔ وہ اس فیصلہ سے ناراض ہوا۔

دوسرے دن فجر کے وقت مسجد میں گیا۔ حضرت عمر نماز پڑھا رہے تھے۔ اس نے خنجر دوم  
 سے ان پر گئی وار کئے۔ ایک زخم ناف کے نیچے لگا۔ اور وہی ہلاکت کا باعث ہوا۔ ان کے  
 پیچھے صف میں کلیب بن بکیر لپٹی تھے۔ ان کو بھی اس نے قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں نے  
 اس کو پکڑا تو اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر زخم کھا کر گر پڑے اور کہا کہ دیکھو کس نے مجھے قتل کیا۔ لوگوں نے جب نام  
 بتایا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں۔ بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے  
 اللہ کو کبھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی۔ اور لوگ حضرت عمر کو اٹھا کر گھرمیں  
 لئے۔ جب وہ اٹھائی گئی تو زخم کی راہ سے باہر نکل پڑی۔ اس لئے یقین ہو گیا کہ یہ جانبر

نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر درخواست کرو کہ وہ اپنے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دیں وہ گئے حضرت عائشہ اس حادثہ پر رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ اس جگہ کو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا۔ لیکن حضرت عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دینی ہوں۔ عبداللہ نے واپس آ کر خوشخبری سنائی فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

زخم کے لگنے کے تیسرے دن ۲۴ رذی حجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے روز شام کو وفات پائی۔ دوسرے دن صبح کو دفن کئے گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق حضرت صہیب نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔

کل مدت خلافت دس سال چھ مہینہ چار دن تھی۔  
صفاتِ عمرؓ

حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے شہسواری اور پہلوانی میں مشہور تھے۔ انہوں نے عرب کے مشہور بازار عکاظ میں کئی جنگ جیتے تھے۔ اناب قبائل سے خوب واقف تھے اور قریش کی سفارت کا منصب ان کو حاصل تھا کئی بار شام اور عراق کے بادشاہوں کے پاس سفیر بن کر گئے تھے۔ حجاز میں اگرچہ اس زمانہ میں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن یہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ میں آ کر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی ان کی جرات کی بدلت مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ بلا استثناء تمام غزوات میں شریک رہے۔

جب خلیفہ ہوئے تو ان کی قوت تدبیر اور حسن سیاست سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم شان شوکت بخشی بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی جھنڈے کے نیچے آگئیں اور یہ دین حق اقوام و ملل پر غالب آ گیا۔

بزرگی اور عظمت کے لحاظ سے حضرت ابوبکر کے بعد ان کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے۔

لیکن ان کا رعب جلال ان سے زیادہ تھا۔ فوج کا دفتر ان ہی کے عہد میں مرتبہ ہوا۔ کوفہ بصرہ  
 فسطاط۔ موصل اور جزیرہ یہ سب شہرا انہوں نے آباد کرائے۔ بسنہ۔ سحری اٹھنی کا مقرر کیا ہوا ہے۔  
 ان کے عہد میں کتاب و سنت کا سمجھنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ فقہ کے مجتہد اول  
 ہی ہیں نہایت بلند پایہ خطیب اور مقرر تھے۔ ان کی ذات امت اسلامیہ کے لئے باری شوکت  
 و عزت و باعث رحمت و برکت تھی رضی اللہ عنہ۔

عمال عہد عمرؓ

صناعہ۔ یعلیٰ بن منیہ	طائف۔ سفیان بن عبداللہ ثقفی
بحرین۔ عثمان بن ابی العاص	جنڈ۔ عبداللہ بن ربیعہ
بصرہ۔ ابو موسیٰ اشعری	کوفہ۔ مغیرہ بن شعبہ
مصر۔ عمرو بن عاص	شام۔ امیر معاویہ
	مکہ۔ نافع بن عبدالمحارث خزاعی

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جب صحابہ نے دیکھا کہ اس مہلک زخم سے حضرت عمرؓ کا بچنا مشکل ہے تو ان سے  
 درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں وہ متردد تھے۔ فرمایا کہ اگر میں کسی کو  
 خلیفہ بنا دوں تو یہ بھی بے جا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے جو مجھ سے بہتر تھے ایسا کیا ہے  
 اور اگر نہ بناؤں تو بھی نامناسب نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے کسی کو اپنا جانشین  
 نہیں بنایا تھا۔ آج ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا قائم مقام کر دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ  
 مجھ سے اس کی باز پرس کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ ابو عبیدہ اس امت  
 میں امین ہیں یا ابو حذیفہ کا غلام سالم ہوتا تو اس کو خلیفہ بنا دیتا اور اللہ سے کہتا کہ میں نے  
 تیرے نبی سے سنا تھا کہ سالم للہیت کا شیدائی ہے۔ -

کسی شخص نے کہا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ اس کے لئے موزوں ہیں۔ فرمایا کہ نہیں۔ جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہ آیا اس کو میں امت کا خلیفہ کیسے بنا دوں۔ میرے اوپر یہ امارت خود ایک بار گراں تھی اس لئے اب میں اپنے خاندان کے کسی شخص پر اس بوجھ کو ڈالنا پسند نہیں کرتا ایک عمر ہی کے لئے اس کی جواب دہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے کنہیں سے دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈالے میں نے اپنے کو اور اپنے متعلقین کو بہت سی آسائشوں سے محروم رکھا پھر بھی خلافت کی ذمہ داریوں سے اگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں بلا ثواب اور بلا عذاب کے چھوٹ جاؤں تو سمجھوں گا کہ بڑا خوش قسمت ہوں۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔ لیکن معاملہ چونکہ زیادہ اہم تھا اس لئے دوسرے وقت پھر اس کو چھٹیر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو امت کا امیر بنا دوں جو اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ لیکن میں نے سوچا کہ زندگی کی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داری میرے ہی اوپر رہے گی اس لئے میری ہمت نہیں بڑھتی یہ چھ آدمی ہیں حضرت علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمنؓ، بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے امیر بنا لو۔ اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی امداد کرو۔ جو امانت جس کے سپرد ہو وہ اس میں خیانت نہ کرے۔ یہ کہہ کر مذکورہ بالا صحابہ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی تم لوگ چھ آدمی میری نگاہ میں امت کے سردار معلوم ہوئے بنی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے تم لوگوں سے راضی گئے اگر تم راہ راست پر ہے تو تمہارے لئے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خود تم میں باہم مخالفت ہوئی تو امت میں تشریب بڑھ جائے گا۔

اس کے بعد ان کے لئے میعاد مقرر کی۔ کہ میری موت کے بعد زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہو جانا چاہیے۔ بمقداد بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھ کو دفن کر کے فارغ ہو جائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔ عبداللہ

بن عمر کو رائے دینے کے لئے بلا لیا لیکن امارت سے ان کو کوئی ہمدرد کار نہ ہو گا فیصلہ کثرت رائے سے  
 ہو اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عہد اللہ کی رائے لے کر فیصلہ کر دینا۔ اگر ان کی رائے قابل قبول نہ  
 سمجھی جائے تو وہ فریق غالب ہو گا جس کی طرف عبدالرحمن بن عوف ہوں گے فیصلہ ہو جانے  
 کے بعد بھی جو لوگ نہ مائیں اور اپنے دعوے پر اڑے رہیں ان کو قتل کر دینا!

حضرت عمر کے دفن کے بعد مقداد ان صحابہ کو لے کر مسور بن خثیمہ کے گھر میں آئے اندر  
 بٹھا کر خود دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خلیفہ کی وصیت کے مطابق تین دن کے  
 اندر اندر آپ لوگ اپنے آپ میں سے امیر منتخب کر لیں۔

تھوڑی دیر تک سب لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ ہم میں سے  
 کون ہے جو خلافت سے دست بردار ہو جائے اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ اس جماعت میں سے  
 جس کو افضل سمجھے خلیفہ منتخب کر دے۔ یہ سن کر سب لوگ چپ رہے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ  
 میں دست بردار ہوتا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا کہ سب پہلے میں اس بات پر اپنی رضامندی کا  
 اظہار کرتا ہوں کہ تم جس کو چاہو ہم میں سے امیر بنا دو ان کے بعد اور لوگوں نے اس بات کو منظور  
 کیا لیکن حضرت علیؑ کے چہ نہیں بولے۔ عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ اس  
 بات کا عہد کرو کہ بلا نفاہیت اور رشتہ داری کے خیال کے محض حق پرستی اور امت کی خیر خواہی  
 پیش نظر رکھ کے انتخاب کرو گے انھوں نے کہا کہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ جس کو میں منتخب  
 کر دوں گا اس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو گے میں تم سے عہد  
 کرتا ہوں کہ بلا رورعایت اور بلا خیال کسی قرابت کے محض امت کی خیر خواہی اور حق پرستی کی بنیاد  
 پر انتخاب کروں گا۔ دونوں طرف سے عہد و پیمان ہو جانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں  
 کو چلے گئے عبدالرحمن تین دن اور تین رات مدینہ میں صحابہ سے مشورہ کرتے رہے تمام  
 لوگ بالاتفاق حضرت عثمانؓ کے انتخاب کی رائے دیتے تھے۔ صرف چند شخص تھے جو حضرت  
 علیؑ کو چاہتے تھے جس رات کی صبح کو تین دن کی مدت ختم ہونے والی تھی عبدالرحمن نے اس

میں پہلے حضرت زبیر کو بلایا اور ان سے کہا کہ امارت بنی عبد مناف کے دونوں بیٹوں عثمانؓ اور علی کے حوالہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ علی کے حق میں چھوڑنا ہوں پھر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا۔ ان سے کہا کہ تم اپنا حق میرے حوالہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم خود خلیفہ ہونا چاہتے ہو تو خوشی سے لیکن اگر عثمان کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ان کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں بہتر تو یہ ہے کہ تم خود بیعت لے لو اور ہم کو ان جھگڑوں سے رہائی مل جائے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میں تو خلافت سے دست بردار ہو چکا ہوں۔ حضرت طلحہ ان دنوں مدینہ میں نہیں تھے اس لئے ان کی رائے لینے کا موقع نہیں مل سکا۔

اس کے بعد حضرت علی کو بلا کر دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان سے صبح تک باتیں کیں نماز کے بعد مہاجرین انصار اور دیگر اہل رائے کو مسجد میں جمع کیا۔ اور کہا کہ دیار و امصار کے لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقامات کو روانہ ہونے سے قبل ان کو معلوم ہو جائے کہ امت کا امیر کون قرار پایا ہے۔ اس پر مسجد میں چاروں طرف سے لوگوں نے اپنی اپنی رائیں ظاہر کرنی شروع کیں۔ حضرت سعد نے کہا کہ عبدالرحمن! معاملہ کو جلد طے کرو کہیں فتنہ نہ واقع ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اچھی طرح غور کیا اور جہاں تک میری طاقت میں تھا ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ لیا میرے فیصلہ سے اب کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور کہا کہ اللہ کو درمیان میں ڈے کر یہ ہتھ کر دو کہ کتاب سنت اور شہین کے طریقہ پر چلو گے۔ انہوں نے جب اقرار کر لیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد سب لوگ بیعت کرنے لگے۔

حضرت علیؓ اندر نگیں ہو کر مسجد سے باہر نکل آئے۔ لیکن پھر پلٹے اور صفیں چیرتے ہوئے جا کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم ۳۲ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء سے ہوئی۔  
ترتیب عثمانؓ حضرت عثمان بن امیہ سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن



عثمان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی والدہ اروے بنت کرین بن  
 ربیعہ بن عبد شمس تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچ سال بعد ان کی پیدائش ہوئی تھی۔  
 یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آغاز بعثت ہی میں حضرت ابو بکر کے سمجھانے سے  
 اسلام لائے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کر دیا بشرطین مکہ نے جب  
 اذیت پہنچانی شروع کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ملک حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔  
 یہ اسلام میں سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ درمیان میں پھر مکہ آئے اور جب مدینہ  
 جانے کی اجازت ملی تو وہاں چلے گئے۔ دونوں ہجرتیں انہوں نے کیں۔

تمام غزوات میں ہجر بدر کے آنحضرت کے ساتھ رہے۔ بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہ  
 سخت بیمار تھیں اس لیے سرور عالم ان کی تیمارداری کے لئے ان کو چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ فتح بدر  
 کے بعد رقیہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت نے بدر کے مال غنیمت میں سے حضرت عثمان کو بھی  
 حصہ عطا فرمایا اور شرکاء جنگ میں ان کو قرار دیا۔

رقیہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو  
 ان کے نکاح میں دیا اس لئے ذی النورین ان کا لقب ہوا۔

عمرہ حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے جب یہ خبر شائع ہوئی  
 کہ کفار نے ان کو قتل کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے جان دینے کی بیعت لی اور  
 خود اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا قرار دیکر بائیں ہاتھ پر مارا اور ان کی طرف سے بیعت کی۔

حیش العسرة جو تبوک کے لئے تیار کی گئی اس کا سامان انہی کی کوشش مدد اور

فیاضی سے ہوا۔ انہوں نے اس میں بے دریغ اپنا مال صرف کیا۔ سررودمہ جو مدینہ کا

ایک مشہور کنواں تھا۔ اور جس کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جو اس کو مسلمانوں

کے لئے خرید لے وہ جنتی ہوگا۔ اس کو انہوں نے خرید کر وقف کر دیا۔

آنحضرت کے زمانہ میں کاتب وحی اور حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں محمد اور امین رہے۔ وہ لوگ بڑے بڑے امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔

### خطبہ خلافت

بیعت ہو جانے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس وقت مال و متاع دنیوی کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کی حالت میں جو تغیر آچکا تھا اس سے باز رکھنے کے لئے عمل صالح اور ثواب آخرت کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ دنیا کے فریبندہ کے چند روزہ جاہ و جلال پر مائل نہیں ہونا چاہیے۔ شیطان کے پھندے سے بچو اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گزارو۔

پھر امراء فوج اور والیان صوبہ جات کے نام ایک مراسلہ جاری کیا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں اور جس طریقہ سے خلیفہ سابق کے عہد سے خدمات انجام دیتے چلے آئے ہیں اسی پر قائم رہیں۔ امانت داری اور وفاء عہد کا لحاظ رکھیں۔

### پہلا مقدمہ

حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر شائع ہوئی کہ اکیلا فیروز ہی ان کا قاتل نہیں ہے بلکہ اس میں ایک جماعت شریک ہے کیوں کہ عبدالرحمن بن ابوبکر نے بیان کیا کہ شام کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ہرمزان اور جھینہ اور فیروز تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کوئی مشورہ کر رہے تھے جب میں اچانک ان کے قریب پہنچ گیا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کسی کے پاس سے ایک خنجر گرجا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔

جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک اسی قسم کا تھا جیسا عبدالرحمن نے بتایا تھا چنانچہ جب اس زخم سے حضرت عمر انتقال کر گئے تو عبید اللہ بن عمر نے غصہ میں جا کر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد جھینہ کی طرف چلے۔ یہ خیرہ کار ہے والا ایک عیسائی غلام تھا جسکو سود بن ابی وقاص مدینہ میں لائے تھے کہ بچوں کو کتابت سکھلائے۔

حضرت صہیب کو جو اس وقت عارضی طور پر خلافت کا کام کرتے تھے جب عبید اللہ کے

اس فعل کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کو گرفتار کر کے تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور اس وقت تک کے لئے قید کر دیا جب تک کہ کوئی خلیفہ منتخب نہ ہو۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا انہوں نے مہاجرین اور انصار سے پوچھا کہ اس میں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ قصاص لینا چاہیے لیکن دوسرے مہاجرین نے کہا کہ کل عمر کا انتقال ہوا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے! عمرو بن عاص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اس معاملہ سے آپ کو کیا سروکار۔ یہ واقعہ آپ کی خلافت سے قبل کا ہے حضرت عثمانؓ نے آخر میں خود ہرمزان کے خون کی دیت اپنے ذمے کر لی اس معاملہ کو طے کر دیا۔ لوگ بالعموم اس فیصلہ سے خوش ہوئے۔

### فتوحات

کوفہ میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی اور آذربے جان کی حفاظت اسی کے ذمہ تھی چھ ہزار سپاہی آذربے جان اور چار ہزار رے کی حدود پر متعین رہتے تھے جو وہاں سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔

ولید بن عقبہ عامل کوفہ کے زمانہ میں اہل آذربے جان نے بغاوت کی۔ وہاں فوج کشی کی گئی۔ آخر کار وہ پھر اپنی شرائط کو پورا کرنے پر رضا مند ہو گئے۔

آرمینیا میں بھی وہاں کے باشندوں نے سازش کر کے سرکشی کی یسلمان بن ربیعہ باہلی فوج کے ساتھ اس طرف بھیجے گئے۔ انہوں نے فتنہ کو دبا دیا۔

سعید بن عاص ایک جرار لشکر لے کر طبرستان میں گئے۔ اس میں امام حسن حسین۔ عبادہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عباس نیز حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے متوعد سخت معرکے ہوئے اہل طبرستان نے ہزیمت اٹھا کر مصالحت کی۔

۳۲ھ میں عبدالرحمن بن ربیعہ باہلی نے بحر خزر کے سواہل پر فوج کشی کی اور فتح کرتے

ہوئے مقام در بند تک پہنچ گئے۔ وہاں غنیم نے بہت بڑی جمعیت فراہم کر کے مقابلہ کیا عبدالرحمن شہید ہو گئے۔ اور اسلامی فوج نے شکست کھائی۔ پھر عبدالرحمن کے بھائی سلمان بن ربیعہ اس سرحد پر متعین ہوئے۔ انھوں نے دشمنوں کو روکا۔

فارس - خراسان اور حدود سندھ تک کا فوجی مرکز بصرہ تھا۔ عبداللہ بن عامر والی بصرہ کے عہد میں اہل فارس نے وہاں کے امیر عبید اللہ بن مہر کو قتل کر ڈالا اور بغاوت کر دی۔ ابن عامر خود فوج لے کر اس طرف بڑھے اور ان کی سخت گوشمالی کی۔ انھیں کی امارت میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد مارا گیا۔ اس کی موت سے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔  
۳۳ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی۔ ابن عامر نے فوج کشی کی قہستان والوں نے امان مانگ لی۔ پھر وہ نیشاپور کی طرف بڑھے۔ ان لوگوں نے بھی صلح کی۔ وہاں سے احسف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا انھوں نے مرو روڈ تک فتح کیا اس کے بعد بلخ پر قابض ہوئے۔ پھر توارزم کی طرف بڑھے مگر وہاں سے محاصرہ اٹھا کر واپس چلے آئے۔

ابن عامر نے ایک دوسرے سردار عبدالرحمن بن سمرہ کو سیستان کی طرف بھیجا انھوں نے کابل اور زابلستان کو فتح کیا۔ ابن عامر ان فتوحات کا شکر یہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ شام میں حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کو پورے صوبہ کا والی کر دیا۔ انھوں نے رومیوں پر فتوحات حاصل کیں راستہ میں ان کے جس قدر قلعے ملے ان میں اپنی فوجیں رکھ دیں۔ دربار خلافت کے حکم سے حبیب بن مسلمہ کو ارمینیا کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ جنہوں نے تیسریں تک فتح کیا۔

امیر معاویہ کا چونکہ زیادہ تر مقابلہ رومیوں کے ساتھ رہتا تھا جن کے پاس جنگی کشتیاں تھیں۔ اس لئے وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ ہم بھی اپنی بحری طاقت تیار کریں تاکہ سمندر میں ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو اپنے سواحل پر فوجیں نہ اتارنے دیں لیکن حضرت عمر بکری جنگ کو مسلمانوں کیلئے ایک قسم کی تعزیر سمجھتے تھے اس لئے ان کی درخواست

نہیں منظور کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کو کشتیوں کے بنانے کی اجازت ملی۔  
لیکن اس شرط پر کہ مسلمان جبراً یا قرعہ اندازی کر کے بھری فوج میں نہ لئے جائیں۔ صرف  
وہی لوگ بھرتی کئے جائیں جو خوشی سے اس میں آنا چاہیں۔

امیر معاویہ نے جنگی کشتیاں تیار کرائیں اور ۲۸ھ میں پہلا بحری حملہ جزیرہ قبرص پر کیا۔  
اس میں حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ بہت سے صحابہؓ رسول بھی مدینہ سے آکر شامل ہوئے۔  
عبداللہ بن سعد پہ سالار مصر بھی مدد کے لئے خود ساتھ گئے اہل قبرص نے صلح کی۔ شرائط یہ  
تھے کہ وہ ہر سال سات ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے اور اسی قدر رقم جو وہ رومیوں  
کو سالانہ دیتے ہیں مسلمان اس میں مزاحمت نہ کریں گے۔ اگر کوئی یہاں حملہ آور ہو تو  
مسلمانوں پر مدافعت لازم نہ ہوگی۔ رومی جس وقت اسلامی ملک پر حملہ کا سامان  
کریں گے تو اہل قبرص مسلمانوں کو اطلاع دیں گے۔ اور اسلامی فوج اگر یہاں سے  
گزرنا چاہے گی تو اس کو گزرنے کا حق ہوگا۔

امیر معاویہ نے فوج کے دو حصے کئے تھے شامیہ اور صالنفہ یعنی سرمائی و گرمائی۔ ایک  
حصہ جاڑے کے موسم میں جنگ میں مصروف رہتا تھا۔ دوسرا گرمی میں عبداللہ بن قیس  
حارثی امیر البحر تھے۔ انھوں نے رومیوں کے ساتھ متور و لڑائیاں کیں لیکن کبھی ان  
کے بیڑہ کا کوئی آدمی غرق نہیں ہوا۔

مصر میں اسکندریہ کے رومیوں کے ساتھ بعض قبلی سردار مل گئے۔ انھوں نے  
ہرقل سے خط و کتابت کر کے امداد طلب کی۔ اس نے ایک عظیم الشان بیڑہ روانہ کیا اور  
اسکندریہ میں فوجیں اتار دیں۔ عمرو بن عاصؓ والی مصر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو  
انھوں نے پنج کروڑوں کو سخت شکست دی اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے اس کی تفصیل کو توڑ دیا۔  
۲۵ھ میں عبداللہ بن سعد ذوقیعہ کے پہ سالار مقرر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے  
کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے وہاں رومیوں کو مغلوب کر لیا تو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ تم کو

انعام دیا جائے گا۔ انھوں نے خلیفہ سے امداد طلب کی بمشورہ صحابہ کرام میں امداد روانہ کی گئی جس میں عبادلہ اربعہ اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے جب بربقہ سے آگے بڑھے تو قیصر کی طرف سے شہر یعقوبہ کا والی جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا اور لڑائی ہونے لگی۔ عبداللہ بن زبیر نے ابن سعد کو میدان میں نہ دیکھا پوچھا کہ کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ جرجیر نے اعلان کر لیا ہے کہ جو شخص ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا اس کو ایک لاکھ دیناروں کا اور اسی کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دوں گا اس وجہ سے وہ فوج کے پیچھے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ہماری طرف سے اعلان کرادو کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کو ایک لاکھ دیناروں کے اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی کر دیں گے۔ نیز یہ کہ اس کے بجائے اس کو یعقوبہ کا والی بنا دیں گے۔

چند روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے جی توڑ کر حملہ کیا اور غالب آگے جرجیر کو عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ اس کی بیٹی انھیں کو ملی اس فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ جو دیا گیا تھا وہ ایک لاکھ دینار تھا۔

پھر وہاں سے فوجوں کے دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے۔

ابن سعد کے ہمد میں قیصر نے چھ سو کشتیوں کا ایک بیڑہ لیکر مصر پر حملہ کیا۔ شام سے امیر معاویہ اپنی بحری فوج لے کر ابن سعد کی امداد کو پہنچ گئے۔ جب رومیوں سے سمندر میں مقابلہ ہوا تو اسلامی فوج نے اپنی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح جنگ کی۔ رومیوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ اس طرح پورا اسلامی بیڑہ کی طاقت بڑھ گئی اور رومیوں کے بحری حملوں اور تاخت و تاراج سے شام اور افریقہ کے سوا اہل محفوظ ہو گئے۔

## فتنہ خلیفہ

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اعیان قریش کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔ ان کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔ کبھی ان میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا اور پھر واپس آ جاتا اگر کوئی کسی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا تو اس کو اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو ان کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے۔

ہر چند کہ لوگ اس کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے لیکن وہ ان کو مدینہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اٹھا دیا اور دوسرا قریش جا بجا دیار و امصار میں پھیل گئے۔

قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان کے سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں جہاں گئے ان کی عزت اور حرمت ہوئی اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا کہ مختلف شہروں میں ان کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائیدادیں ہو گئیں لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط ان میں مجتمع تھے اس لئے ان کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ تمنائیں دلوں کے زبانوں تک آنے لگیں اور ان کی وجہ سے خیالات اور آرائیں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کی دورانہی کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انہوں نے انہیں

نتائج کو پیش نظر رکھ کر ان رؤساء کو اپنے پاس روک رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے تاکہ ان میں باہمی اختلاف کے اسباب پیدا نہیں ہو سکیں چنانچہ ان کے آخری عہد تک وہ لوگ متفق اور متحد اور شقاق و افتراق سے نا آشنا تھے۔ اور جب رؤساء باہم متفق رہیں تو امت میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

عہد عثمان میں اعیان قریش کے متفرق ہو جانے سے ان میں وہ اتحاد جو پہلے تھا باقی نہ رہ سکا۔ علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے شورش انگیز لوگوں نے غوغاء عام شروع کر دیا۔ چونکہ اس شورش میں کوفہ۔ بصرہ اور مصر تینوں مقامات کے لوگ شریک تھے اس وجہ سے ہر ایک جگہ کی مختصر کیفیت لکھنی ضروری ہے۔

### کوفہ

حضرت عثمان نے کوفہ کا امیر سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔ خراج کی تحصیل پر حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور صحابی تھے۔ حضرت سعد نے ان سے کوئی رقم ایک مدت معینہ کے لئے قرض لی۔ جب وہ مدت گزر گئی تو عبداللہ بن مسعود نے تقاضہ کیا۔ سعد بروقت ادا کر سکے۔ دونوں میں باہم کچھ گرم گفتگو ہوئی۔ بعض لوگ سعد کے طرفدار ہو گئے اور بعض ابن مسعود کے۔ رد و قدح کے بعد ابن مسعود واپس آئے لیکن دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے بکدر ہو گئے۔

حضرت عثمان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے دونوں پر عتاب فرمایا اور سعد کو معزول کر کے ان کے بجائے ولید بن عقبہ کو بھیجا۔

ولید کا برتاؤ اچھا تھا اور لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ چند بادشاہ کسی شخص کے گھر میں نقب لگا کر گھسے اور اس کو مار ڈالا وہاں ایک ہنگامہ ہوا سرکاری سپاہی موقع پر پہنچ گئے انھوں نے مجرموں کو پکڑ لیا۔ وہ قصاص میں قتل کئے گئے۔ اب ان کے رشتہ داروں نے موقع ڈھونڈنا شروع کیا کہ کسی طرح ولید کی شکایت خلیفہ کے سامنے کریں۔

ولید کی محفل میں رات کے وقت جو لوگ جمع ہوتے تھے ان میں ابو زبید طائی بھی



تھا جو پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ شراب خوار ہے  
 ولید کے ان دشمنوں نے یہ خبر اڑائی کہ وہ بھی ابو زبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ ابن مسعود  
 سے بھی جا کر کہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص ہم سے چھپا کر کوئی کام کرے ہم کو اس کے تجسس  
 کی کیا غرض ہے۔ ولید نے جب یہ سنا تو ابن مسعود سے کہا کہ ان فتنہ پردازوں کو اس قسم کا  
 جواب نہیں دینا چاہیے تھا جیسا آپ نے دیا۔ میں کون سا کام چھپا کر کرتا ہوں اس جواب سے  
 تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی ان کی باتوں کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا۔ اس پر ولید اور  
 ابن مسعود میں سخت کلامی ہوئی اور دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔

ان مخالفین نے خلیفہ کے پاس جا کر ولید پر شراب خواری کا الزام لگایا اور دو شخصوں  
 کو جن کو ولید نے ان کی بدلیاقتی کی وجہ سے ملازمت سے معزول کر دیا تھا۔ شہادت  
 میں پیش کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہم ولید کی محفل میں شریک تھے ہم نے دیکھا کہ اس  
 نے قے کی اور اس میں شراب نکلی۔ ولید کو ذہ سے بلائے گئے۔ ان پر حد جاری کی گئی۔ اور  
 ان کے بجائے سعید بن عاص کو ذہ کے امیر مقرر ہوئے۔

سعید نے کوذہ کی حالت نہایت خراب دیکھی۔ دربار خلافت میں لکھ بھیجا کہ یہاں کی  
 مخلوق شورش پسند ہے۔

ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ سعید کی محفل میں کسی نے حضرت طلحہ کی فیاضی کا ذکر کیا۔ انھوں نے  
 کہا کہ جس کے پاس نشاستیج جیسی زرخیز ملکیت ہو اس کو فیاض ہونا ہی چاہیے اگر میرے پاس بھی  
 ایسا کوئی قطعہ زمین کا ہوتا تو میں تم کو خوش کر دیتا۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا کہ سواصل و فرات کا  
 علاقہ جو آل کسریٰ کی جاگیر میں تھا اس کو آپ لے لیجئے یہ سن کر کوذہ کے چند آدمی بول اٹھے کہ اللہ تجھے غارت  
 کرے ہماری زمین تو امیر کو دینا چاہتا ہے۔ مالک شتر نخنی اور عمیر بن ضابی تو اس قدر برہم ہو گئے  
 کہ اٹھ کر اس نوجوان کو پیٹ دینا دیکھ کر اس کے قبیلہ کے لوگ بھی طرفداری کے لئے کھڑے ہو گئے  
 اگر خود سعید نے بیچ میں پڑ کر اس جھگڑے کو نہ روک دیا ہوتا تو سخت بلوہ ہو جاتا۔

اس کے بعد سے سعید نے ان لوگوں کو اپنی محفل میں آنے سے روک دیا۔ اب ان کا کام  
بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ سعید کو بدنام کر کے لوگوں کو ان کی طرف سے بھڑکائیں۔ روز ایک ایک  
قسم کا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ خود شرفاء کو فتنہ نے خلیفہ کے پاس درخوست  
بھیجی کہ یہ فتنہ پورا یہاں سے نکال دئے جائیں۔ وہاں سے حکم آیا کہ ان کو شام میں بھیج دو تاکہ  
امیر معاویہ کی نگرانی میں رہیں۔ چنانچہ ان شورش انگیزوں کے سرغنے مالک بن حارث اشتر نخعی ثابت  
بن قیس نخعی کمیل بن زیاد نخعی۔ زید بن صوحان عبیدی جنذب بن زہیر عادی جنذب بن کعب  
ازدی عروہ بن جعد عمرو بن الحنق الحزاعی امیر معاویہ کے پاس بھیجے گئے۔ وہاں تھوڑے دنوں  
تک رہے انہوں نے ان کو سمجھایا بھی اور دھمکایا بھی لیکن ان کے سروں میں شورش کا  
سودا بھرا تھا۔ راہ راست پر نہ آئے۔ امیر معاویہ نے خلیفہ کو لکھا کہ مجھ سے ان کی اصلاح نہیں  
ہو سکتی۔ خلیفہ نے لکھا کہ حمص میں عبدالرحمن بن خالد کے پاس بھیجو عبدالرحمن نے ان لوگوں  
کی سخت گوشمالی کی آخر انہوں نے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس لئے خلیفہ نے ان کو کوفہ  
واپس جانے کی اجازت دے دی کوفہ میں جب آئے تو پھر وہی فتنہ انگیزی شروع کی۔ اور  
حضرت عثمان اور ان کے عمال کی برائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سعید بن  
عاص خود مدینہ گئے تاکہ خلیفہ کو یہاں کی حالت سے مطلع کریں جب واپس آنے لگے تو یہ لوگ  
متفق ہو کر ایک جماعت کثیر اپنے ساتھ لئے ہوئے کوفہ سے نکلے کہ اب ہم سعید کو یہاں نہیں آنے  
دیں گے حضرت عثمان نے رفع شر کے خیال سے سعید کو بلا لیا اور ابو موسیٰ اشعری کو وہاں کا  
والی بنا کر بھیج دیا لیکن وہ بھی ان کی فتنہ پر دازی کا اندازہ نہیں کر سکے۔ بلکہ دن بدن ان کی  
طاقت اور جماعت بڑھتی جاتی تھی اور حکومت کا نفوذ اور اثر کم ہوتا جاتا تھا۔

### بصرہ

یہاں کے والی عبداللہ بن عامر تھے جنہوں نے ایران کی فتوحات میں بڑے بڑے کام انجام  
دئے تھے۔ ان کے عہد میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبیلہ تھا جو غارت گری کیا کرتا تھا

اور بھیس بدل کر ذمیوں کے مال ٹوٹا تھا۔ جب کسی لڑائی میں بھیجا جاتا تو چھپ کر نکل جاتا اور ادھر ادھر چوریاں کرتا پھر تباہ حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکایتیں پہنچیں۔ انھوں نے والی بصرہ کو لکھا کہ حکیم کو مع اس کے ساتھیوں کے بصرہ میں نظر بند رکھو اور کسی وقت ان کو شہر کے باہر نہ نکلنے دو۔

عبداللہ بن سبا

یہ صنعا کا ایک یہودی تھا جو اسلام ظاہر کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا اس کی کنیت ابن سودا ہے۔ سب سے پہلے اس کا ظہور بصرہ میں ہوا۔ یہ حکیم بن جلد مذکور کے پاس ٹھہرا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مخفی طور پر اپنی تعلیمات کو ان میں پھیلانے لگا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ اہل اسلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے محبت اور تعظیم کرتے ہیں اس لئے اسی راستہ سے ان کے دلوں میں اپنے خیالات کا اثر ڈالنا شروع کیا۔ کبھی کہتا کہ مجھے مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے اور اس کے قائل نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے۔ کبھی کہتا کہ اے مسلمانو! یہ کس قدر حیرت ناک امر ہے کہ تمہارے درمیان محمد صلعم کی آل موجود ہے اس کو تم خلیفہ نہیں بناتے۔

الغرض اسی قسم کے خیالات پھیلاتا تھا اور چونکہ ان میں نبی صلعم اور ان کی آل کی محبت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا تھا اس لئے عوام اس کو عقیدہ تمذبی کے ساتھ سنتے تھے۔ عبداللہ بن عامر کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو اس کو بلوایا اور پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں اہل کتاب میں سے ہوں دین اسلام کا ذوق رکھتا ہوں اس لئے یہاں آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے سایہ حمایت میں رہوں۔ انھوں نے کہا کہ تمہاری جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ ان سے میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے آئے ہو۔ میں تمہارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا وہ بصرہ سے کوڑھ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے اہل فتنہ سے مل کر ان میں

اپنے خیالات پھیلائے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں نکالا گیا اور مصر پہنچا۔

### مصر

عبداللہ بن سبائے یہاں آکر مخفی جماعت بنائی اور ان میں اپنے وہی خیالات پھیلانے لگا۔ لیکن اب ان پر کچھ اور اضافہ کیا یعنی یہ کہ دنیا میں ایک ہزار نبی گذرے ہیں ہر نبی کا ایک وہی بھی ہوا کرتا ہے۔ حضرت علی بنی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اسی طرح حضرت علی خاتم الاولیاء ہیں جن لوگوں نے اپنے نبی کی وصیت نہیں پوری کی ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان خلافت کے مستحق نہیں ہیں جب کہ وصی رسول موجود ہے تو اس کے سوا کسی کو خلیفہ ہونے کا کیا حق ہے۔ تم لوگ اٹھو اس تحریک کو پھیلاؤ اور ان ظالم امراء کو جو تمہارے اوپر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے ہیں نکال دو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا فرض ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس خیال پر جو لوگ نچتے ہو جاتے ان کو جا بجا شہروں میں بھیج دیتا تاکہ مخفی طور پر اس کی اشاعت کریں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر اس کی ہم خیالی ایک ایک جماعت تیار ہو گئی یہ لوگ اپنے شہر سے دوسرے شہروں میں خطوط بھیجتے جن میں عمال حکومت کے ظلم و ستم کی مصنوعی شکایتیں لکھتے۔ ان خطوط کے مضمین لوگوں کو سنا کر خلیفہ اور امراء وقت کے خلاف ان کے جذبات بھڑکائے جاتے تھے۔

جب یہ خطوط پہنچتے تو اہل عراق مصریوں پر اور اہل مصر عراقیوں پر ترس کھاتے اور شکر کرتے کہ ہم اس مصیبت سے محفوظ ہیں۔ مدینہ والے جہاں ہر طرف سے اس قسم کے خطوط جاتے تھے سب کی حالت پر افسوس کرتے اور کہتے کہ الحمد للہ ہم عافیت میں ہیں۔

صحابہ نے حضرت عثمان سے اس کا تذکرہ کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کے خطوط آتے ہیں آپ کو بھی ان امور کی کچھ اطلاع ہے یا نہیں۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس تو ہر جگہ سے یہی خبر آتی ہے کہ عافیت اور امن ہے۔

لوگوں کے مشورہ سے حالات دریافت کرنے کے لئے جا بجا معتبر صحابہ کو روانہ کیا۔ محمد بن مسلمہ

کو کوفہ۔ اسامہ بن زید کو بصرہ۔ عبداللہ بن عمر کو ملک شام اور عمار بن یاسر کو مصر۔ ان کے علاوہ اور بھی اپنے خاص خاص آدمیوں کو اطراف ملک میں روانہ کیا کہ جو اصلیت ہو بے کم و کاست اس کی اطلاع دیں۔ یہ سب فرستادے بجز حضرت عمار بن یاسر کے واپس آئے اور کہا کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی۔ تمام حالات سابق بدستور ہیں۔

عمار بن یاسر کے متعلق عبداللہ بن سعد والی مصر نے لکھا کہ وہ یہاں آکر ایک جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔ جن کے سرگروہ عبداللہ بن سبا۔ خالد بن ولید۔ سوہان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔

مصر میں دو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف تھے۔ ایک محمد بن ابی حذیفہ دوسرے محمد بن ابی بکر۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے بچپن سے ان کو حضرت عثمان نے اپنے آغوش شفقت میں پرورش کیا تھا جب بڑے ہوئے تو انھوں نے خواہش کی کہ میں کہیں کل عامل مقرر کیا جاؤں حضرت عثمان نے ان کو اس قابل نہ سمجھا اس لئے انکار کر دیا۔ وہ مصر میں چلے آئے اور ان کے دشمن ہو گئے۔

محمد بن ابی بکر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اوپر کسی کا حق آتا تھا۔ حضرت عثمان نے اس کو ان سے دلا دیا تھا۔ ادھر مصر میں جابی جماعت نے ان کو سب باغ دکھایا جس کی وجہ سے باوجود اس عظیم الشان رتبہ کے جو اسلام میں ان کو حاصل تھا اس فتنہ پر واز جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔

عمار بن یاسر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار ان میں اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں سخت کلامی ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان نے دونوں کو سزا دی تھی۔ سبائی جماعت نے اس کینہ کا جوش دلا کر ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

شام -

ملک شام میں حضرت امیر معاویہ کے حزم و تدبیر کی وجہ سے شویش نہ پھیل سکی لیکن

عبداللہ بن سبا کی فتنہ پر دازی سے وہاں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس سے اس جماعت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانے کا کام لیا۔ وہ یہ کہ جس وقت وہ شام میں گیا وہاں حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی قیام پذیر تھے ان سے کہا کہ معاویہ کی چال تو دیکھئے کہ بیت المال کے خزانہ کو جو مسلمانوں کا ہے اللہ کا مال کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کو نہ دیں بلکہ خود اپنے قبضہ میں رکھیں یہ سن کر حضرت ابوذرؓ امیر معاویہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مال کو تم اللہ کا مال کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام مخلوق اللہ کی ہے۔ سارا مال اللہ کا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق آئندہ سے مسلمانوں کا مال کہا کروں گا۔

اس کے بعد عبداللہ بن سبا حضرت ابوذرؓ سے ملا۔ انہوں نے جب اس کی باتیں سنیں تو فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ تو یہودی ہے ان کے پاس سے اٹھ کر وہ حضرت عبادہ بن صامت کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کے خیالات کو سن کر بہت برہم ہوئے اسکو بکڑ کر امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذرؓ کو تم سے لڑا دیا تھا۔

حضرت ابوذرؓ نے ملک شام میں فقراء کو اغنیاء کے خلاف ابھارا۔ اور کہا کہ دولت میں سب لوگ شریک ہیں۔ فقراء نے چاہا کہ ہم اغنیاء کو لوٹ لیں! امیر معاویہ نے خلیفہ کو لکھا کہ ابوذرؓ کی وجہ سے یہاں مسلمانوں میں تفرقہ کا خوف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو مدینہ میں طلب کیا اور کہا کہ اہل شام تمہارے شاکی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ دولت مندوں کو یہ حق کہاں سے حاصل ہے کہ مال جمع کر کے رکھیں اور تنگ دست فاقہ کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اللہ اور رسول کا جو حق رعایا پر ہے اس کو میں ان سے لوں گا۔ اور جو حق ان کا میرے اوپر ہے اس کو ادا کروں گا۔ زہد اور ترک دنیا پر میں کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔

خلیفہ نے دیکھا کہ اشتراکیت کا مضر خیال ان کے دل میں بیٹھ گیا ہے اس لئے ان کی

سکونت آبادی میں مناسب نہیں۔ لہذا ان کی تنخواہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ مقام ربذہ میں جو بیابان میں واقع ہے جا کر رہیں وہ وہیں چلے گئے اور ۳۲ھ میں اسی مقام میں وفات پا گئے۔  
سبائی فرقہ کے جو خطوط مدینہ پہنچے تھے ان کے اثر سے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی حضرت عثمانؓ اور ان کے امراء کے خلاف ایک غصہ پیدا ہو گیا تھا۔ محفلوں میں اسی بات کے تذکرے ہوتے تھے۔ بعض لوگ خلیفہ کے ساتھ سخت کلامی سے بھی پیش آتے تھے مگر انھوں نے صبر و حلم سے کام لیا۔

جب زیادہ چرچا پھیلا تو حضرت عثمانؓ نے دیار و امصار کے امراء کو حکم بھیجا کہ حج کے موقع پر سب اکٹھے سے ملیں۔ جب وہاں اجتماع ہوا تو ان سے پوچھا کہ ملک میں یہ کیسا فتنہ برپا ہے اور یہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی شورش پھیلا رہے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہم بھی اسی قسم کی افواہ سنتے رہتے ہیں لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی گرفت نہیں کر سکتے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ عجیب فتنہ ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ مشورہ دو کہ اس کا انداز کس طرح کیا جائے۔

سعید بن عاص نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبریں مخفی طور پر گھڑی جاتی ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیج کر ناواقفوں میں مشہور کی جاتی ہیں تاکہ خلیفہ اور امراء وقت سے لوگ بدظن ہو کر مخالف ہو جائیں میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ اس کی تہ میں ہوں گرفتار کر کے قتل کر دئے جائیں۔  
عبد اللہ بن سعد نے بھی اسی کی تائید کی! امیر معاویہ نے کہا کہ میرے صوبہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے میرے نزدیک ان امراء کی رائے زیادہ صائب ہے جن کے علاقوں میں یہ فتنہ انگیز جماعت ہے۔ مفسدوں کی گوشمالی بہر صورت لازم ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی طرف سے نرمی ہو رہی ہے اشخاص کی آزادی کو اسی حد تک قائم رکھنا چاہیے جہاں تک کہ امت میں فساد پڑنے کا اندیشہ نہ ہو جو لوگ مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کرتے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے کیوں چشم پوشی کی جائے حضرت عمرؓ کا یہ دستور نہیں تھا۔ آپ کو بھی انہیں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہارے مشورے سن لئے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی بے شک حدود شرعیہ میں میں کسی قسم کی کوتاہی جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن جن امور میں شریعت مجھے کسی کے اوپر سختی کرنے کی ہدایت نہیں کرتی ان میں زمی سے کام لوں گا۔ اور اگر اس میں میری جان بھی چلی جائے تو اس کا جانا اپنے لئے مبارک سمجھوں گا۔ لوگوں کے حقوق کو میں کسی طرح ہضم نہیں کر سکتا۔ اور جانتا ہوں کہ جو امر تقدیری ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

اس کے بعد امراء کو رخصت کیا اور ان کو کسی قسم کی کارروائی کرنے کا حکم نہیں دیا۔ روانگی کے وقت امیر معاویہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں چلے چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ کوئی برا نتیجہ پیدا کرے فرمایا کہ میں آنحضرت کے قرب کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں شام سے ایک فوج بھیج دوں کہ مدینہ میں رہے اور آپ کی محافظت کرے جو اب دیا کہ اس سے اہل مدینہ کو تکلیف ہوگی۔

سبائی جماعت نے یہ طے کیا تھا کہ جس وقت امراء اپنے مقامات کو چھوڑ کر حج کیلئے روانہ ہوں اس وقت ہم لوگ اٹھ کھڑے ہوں۔ لیکن اس میں رکاوٹیں پڑ گئیں۔ اس وجہ سے انہوں نے جا بجا سے باہمی خط و کتابت کر کے یہ طے کیا کہ ہر ہر مقام سے کچھ کچھ لوگ نکل کر مدینہ چلیں اور یہ ظاہر کریں کہ ہم خلیفہ سے امور سلطنت کے متعلق چند باتیں دریافت کرنے کیلئے جاتے ہیں کہ لوگوں میں یہ شہرت ہو جائے کہ مسلمانوں کی ایک حق جو اور خیر خواہ جماعت خلیفہ کی غلطیوں کا اس سے مواخذہ کرنے جا رہی ہے۔ اس قرار داد کے مطابق بصرہ، کوفہ اور مصر تینوں مقامات سے ان کا ایک ایک وفد روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے متصل پہنچ کر سب مل گئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے۔

حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ معلوم کریں کہ کس غرض سے یہ وفد آئے ہیں۔ انہوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ ان کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی غلطیاں ظاہر کر کے اصرار کریں کہ خلافت سے دست کش ہو جائیں



وردن آپ کو قتل کر ڈالیں۔

حضرت عثمانؓ یہ سن کر بہنے۔ ان لوگوں کو بلا یا اور بہا جرین و انصار کو جمع کیا پھر ان کی ساری شکایتیں سنیں۔ اس کے بعد صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کے بارے میں کیا کرنا چاہئے بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو بکڑا کر قتل کر دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں جب تک کسی سے کفر ظاہر نہ ہو یا حد شرعی نہ واجب ہو اس وقت تک اس کو سزا دینا قرین انصاف نہیں۔

اس کے بعد ان کی ایک ایک شکایت کا مفصل جواب دینا شروع کیا۔ فرمایا۔

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے منا میں پوری نماز پڑھی اور قصر نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ جب کسی مسافر کے اہل و عیال کسی مقام پر ہوں تو وہ مقیم ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ بہا جرین و انصار نے کہا کہ صحیح ہے۔

(۲) یہ کہتے ہیں کہ تم نے چراگاہ کو مخصوص کر دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ میں نے کونسی چراگاہ مخصوص کر دی۔ مدینہ میں صرف ایک چراگاہ بیت المال کے جانوروں کے لئے ہے جو میری خلافت کے قبل سے مخصوص کر دی گئی ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب میں حلیفہ ہوا تھا اس وقت مجھ سے زیادہ مدینہ میں نہ کسی کے پاس ادنٹ تھے نہ بکریاں تھیں۔ آج میرے پاس صرف دو ادنٹ ہیں جن کو میں نے حج کی سواری کے لئے رکھ چھوڑا ہے اور جو چرائی پر نہیں جاتے کیا یہ درست نہیں ہے؟ سب نے کہا کہ درست ہے۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ تھا تم نے صرف ایک کتاب رکھی آپ جانتے ہیں کہ قرآن صرف ایک کتاب ہے اور اکیلے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کون گھسا بڑھا سکتا ہے۔ اسکی کتابت میں نے نہیں کی ہے بلکہ معتزہ صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے۔ کیا اس میں کوئی بات غلط ہے؟ آواز آئی کہ نہیں ہرگز نہیں۔

(۴) یہ کہتے ہیں کہ حکیم بن العاص کو طائف سے تم نے نکال دیا کیوں بلا لیا میں کہتا ہوں کہ حکیم کو مکہ سے آنحضرتؐ نے نکال کر طائف میں بھیج دیا تھا۔ پھر اپنی زندگی ہی میں انکو طائف سے

مکہ میں بلا لیا کیا یہ میرا قول ٹھیک نہیں ہے؟ ہر طرف سے جواب ملا کہ ٹھیک ہے۔

(۵) یہ کہتے ہیں کہ تم نے نوجوان شخص (عبد اللہ بن عامر) کو والی بنا دیا ہے۔ حالانکہ میں نے لیاقت عقل و دینداری اور ایمانداری کو جانچ کر ان کو امیر مقرر کیا ہے۔ مجھ سے نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں مجھ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ اس امر کو جن کی عمر صرف ۷ سال کی تھی خود ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا۔ کیا میں بجا کہتا ہوں؟ متفقہ طور پر لوگ بول اٹھے کہ نہیں آپ نے بجا فرمایا۔

(۶) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے رشتہ داروں کو سارا مال غنیمت بخش دیا۔ حالانکہ میں نے عبد اللہ بن سعد کو خمس غنیمت میں سے صرف پانچواں حصہ دیا تھا۔ مجھ سے پہلے حضرت ابو بکر اور عمرؓ کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا ہے۔ باوجود اس کے جب مجھے علم ہوا کہ فوج نے اس کو ناپسند کیا تو میں نے وہ رقم ابن سعد سے واپس لے لی۔ کیا یہ واقعہ نہیں؟ سب نے کہا کہ ہے۔

(۷) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے اقرباء کو امارتیں دے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت ہو۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ تاہم اگر لوگ اس امر کو ناپسند کرتے ہیں تو ان کی بجائے دوسروں کو مقرر کرنے کے لئے میں تیار ہوں۔ جو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ کام کر سکیں۔

(۸) یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خاندان کی محبت رکھتا ہوں اور ان کو عطیے دیتا ہوں دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے کنبہ والوں کی محبت رکھنا گناہ ہے جب تک کہ اس سے کسی کا حق منافع اور کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔ میں ان کو عطیے بھی دیتا ہوں لیکن اپنے خاص مال میں سے عہد رسالت سے میں ان کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرتا رہا ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بیت المال میں سے آج تک میں نے خود اپنے خرچ کے لئے بھی ایک حبہ نہیں لیا۔ کیا اپنے ذاتی مال میں بھی مجھ کو تصرف کا اختیار نہیں ہے کہ اپنے کنبہ کے جس شخص کو چاہوں دوں۔

حضرت عثمان نے اپنی زمین اور اپنے مال کو تمام بنی امیہ میں تقسیم کر دیا تھا اس میں اپنے بیٹوں کا حصہ بھی سب کی برابر ہی رکھا تھا۔

اس وقت ان وفود کے ساتھ اور کچھ نہیں کیا صرف جواب دینے پر اکتفا کی اور ان کو رخصت کر دیا۔

لیکن ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات سے تسلی حاصل کریں بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے خلاف ملک میں شورش پھیلائیں۔ مدینہ سے واپس آ کر انہوں نے پھر باہم مراسلت شروع کی اور آپس میں یہ طے کیا کہ تینوں مقامات سے پھر ایک ایک جماعت یہ ظاہر کر کے کہ ہم مکہ میں عمرہ کے لئے جاتے ہیں نکلے اور سب مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں چنانچہ مصر سے ایک ہزار آدمی روانہ ہوئے جن کا سردار غافقی بن حریب تھا۔ عبداللہ بن سبا بھی ساتھ تھا۔ ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ مدینہ کے نام سے نکلتے بلکہ حسب قرار واد مکہ کی زیارت کا قصد مشہور کر کے روانہ ہوئے۔ کوفہ سے بھی اسی قدر آدمی چلے۔ ان کا امیر عمر بن ام تھا۔ اور بصرہ والوں کی تعداد بھی اسی قدر تھی ان کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔

ہر ہر مقام کے لوگ ایک ہی بار نہیں نکلے بلکہ چار چار مختلف قافلے بنا کر نکلے پھر آگے بڑھ کر ایک ساتھ ہو گئے اور مدینہ کے متصل پہنچ کر تینوں مقامات کے لوگ مل گئے۔ اس امر میں سب متفق تھے کہ خلیفہ وقت کو قتل کر دیں لیکن ان کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں اس میں اختلاف تھا۔ بصرہ کے چند لوگ حضرت طلحہ کے خواہاں تھے اور بعض اہل کوفہ حضرت زبیر کے لیکن بقیہ لوگ اور خاص کر اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم اور محمد بن ابوبکر کے اثر سے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب تھے حضرت علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پٹھر گئے اور دو آدمیوں کو بھیجا کہ مدینہ کی حالت دیکھ آئیں کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کے آنے کی اطلاع وہاں نہ پہنچ گئی ہو اور اہل مدینہ ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو گئے ہوں۔

ان لوگوں نے جب مدینہ کی حالت دیکھ لی کہ یہاں سکون ہے تو حضرت علی طلحہ اور زبیر

رضی اللہ عنہم سے ملے اور کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہم کو خلیفہ کے پاس لے چلیں تاکہ ہم ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے والی کو جس کے ظلم سے ہم تنگ آگئے ہیں واپس بلا لیں۔ لیکن ان سب لوگوں نے انکار کر دیا۔

وہ دونوں اپنی جماعت میں واپس آگئے۔ اور مدینہ کے حالات بیان کئے۔ دو بارہ تینوں مقامات کے لوگ زیادہ تعداد میں مدینہ میں آئے اہل مصر حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ جب حضرت عثمان ہماری شکایتیں نہیں سنتے تو بہتر یہ ہے کہ خلافت کی باگ آپ اپنے ہاتھ میں لیں۔ انھوں نے قطعی انکار کیا پھر حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس گئے۔ وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ یہ لوگ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے۔ اس کے بعد متفقہ طور پر یہ ساری جماعت مدینہ کے پاس پہنچ گئی اور چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتی ہوئی خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنی تلوار کو میان میں رکھے گا اس کو امان ہے۔

حضرت علیؑ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم لوگ یہاں سے جانے کے بعد پھر کیوں واپس آگئے۔ اہل مصر نے کہا کہ ہم نے ایک خط لکھا جو قاعدہ کے ہاتھ خلیفہ نے والی مصر کے نام بھیجا ہے جس میں حکم لکھا ہے کہ ہم جس وقت وہاں پہنچیں وہ ہم کو قتل کر دے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے اہل کوفہ و بصرہ سے پوچھا کہ تم کیسے آئے انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی امداد کو آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تمہارا راستہ بالکل دوسری سمت میں تھا۔ یہاں سے تین منزل جانے کے بعد تھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے متعلق ایسا فرمان نافذ ہوا ہے اور اس کو انھوں نے پکڑ لیا ہے جو تم ان کی امداد کے لئے واپس آگئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگوں کا بیان غلط ہے۔ تم نے پہلے ہی سے اس کی سازش کر رکھی تھی۔

ان لوگوں نے کہا کہ آپ جو چاہیں خیال کریں ہم کو اس خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے اس کا خون بہانا حلال ہے۔ آپ بھی اس میں ہماری شرکت کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ میں اس میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ان لوگوں نے کہا کہ پھر آپ نے ہم کو لکھا کیوں تھا حضرت علیؑ

نے فرمایا کہ میں نے کبھی کچھ تم کو نہیں لکھا۔ یہ سکر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفردوں نے حضرت علی کی طرف سے جعلی خطوط بھیج کر لوگوں

کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا یا تھا۔ حضرت علی ان کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلے گئے۔

وہ لوگ اس فرمان کو جس کی بابت وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نے خلیفہ کے قاصد کو بلکہ کھینچا

ہے لیکر حضرت عثمان کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ نے ہمارے بارے میں یہ حکم لکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ دو صورتیں ہیں یا تو تم اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرو۔ ورنہ

مجھ سے قسم لے لو جو میں نے اس کو لکھا ہو یا مجھے اس کا علم بھی ہو۔ تم جانتے ہو کہ کسی کی طرف

سے خط لکھ لینا بہت آسان ہے۔ نیز ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔

باغیوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے قتل کا فرمان لکھا ہے ہم آپ کی خلافت نہیں

چاہتے بلکہ آپ کا خون ہمارے لئے مباح ہے۔ پہلے انہوں نے زور دیا کہ وہ خلافت سے

دست بردار ہو جائیں۔ لیکن حضرت عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ جو عزت کی تمہیں اللہ تعالیٰ

نے مجھ کو پہنائی ہے میں خود اس کو نہیں اتاروں گا۔

چند دنوں تک مسجد میں ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ لیکن پھر باغیوں نے ان کو ان کے

گھر میں محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی روک دیا۔ بڑی کوشش سے مخفی طور پر ایک پڑوسی کے

ذریعہ سے ان کے یہاں پینے کے لئے پانی پہنچایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان ان سرکشوں کو بار بار

سمجھاتے اور نصیحت کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

محاصرہ ہی کی حالت میں عبداللہ بن عباس کو امیر الحاج مقرر کیا اور اپنی مفصل حالت

لکھ کر ان کو دی کہ میں مسلمانوں کو سناؤں۔

باغیوں نے سوچا کہ محاصرہ میں زیادہ دیر ہو گئی تو جا بجا سے مسلمان خلیفہ کی مدافعت کے

لئے آجائیں گے۔ اس لئے انہوں نے عجلت کر کے گھر کے دروازہ میں آگ لگا دی اور اس کو

گرا کر اندر گھس آئے۔ بعض لوگ ابن حزم کے مکان میں سے جو خلیفہ کے پڑوسی تھے کو دکر

داخل ہوئے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ حالت دیکھ کر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا حضرت علیؓ بطحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بیٹے وغیرہ جو ان کی مدافعت کے لئے آگئے تھے اور جن کی تعداد اس قدر کم تھی کہ ان سے کچھ ہو نہیں سکتا تھا ان کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تم لوگ میرے لئے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور خود اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔

پہلے باغیوں کی ایک جماعت ان کی طرف آئی جس میں محمد بن ابوبکر تھے لیکن اس نے قتل نہیں کیا پھر مصریوں کا سردار عافقی پہنچا اس نے چہرے سے وار کیا۔ اس کے بعد سودان بن حمران نے تلوار ماری۔ حضرت عثمانؓ کی وفادار بیوی نائلہ بنت الفرافصہ روکنے کی غرض سے ان کے اوپر آکر گر پڑیں۔ سودان کی تلوار سے ان کی نصف ہتھیلی موٹانگیوں کے کٹ کر دور جا پڑی۔ پھر کسی تیسرے شخص نے خلیفہ کی گردن تن سے جدا کر دی اس کے بعد باغیوں نے گھر کا سارا مال متاع لوٹ لیا اور مدینہ میں ان کے قتل کا اعلان کر دیا۔

محاصرہ کی کل مدت ۲۲ روز تھی اور مہارذی حجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو وہ قتل ہوئے۔ اسی منحوس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا۔ اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی۔

### قتل کے اسباب

ابزرگان ملت جب باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ اور حامی ہوں تو امت میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہو سکتا لیکن جب ان کے دلوں میں محبت کے بجائے نفرت پیدا ہو جائے تو مفدوں کو موقع مل جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت روساء مدینہ کا تھا ان میں سے بعض دو بدو اور بعض پس پشت حضرت عثمانؓ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے ان کی تحقیر ہوتی تھی۔ عام طور پر ان کو بے عمل کا خطاب دے رکھا تھا جو ایک مصری شخص کا نام تھا جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ اور غالباً اس کے سوا اور کوئی عیب ان کے اندر انہوں نے

پایا بھی نہیں تھا۔

حضرت عثمان ان باتوں کو برداشت کرتے تھے۔ کیونکہ کسی کے اوپر سختی کرنا بالطبع ان کو ناگوار تھا۔

روساء کی ان حقارت آمیز باتوں کا اثر عوام پر بہت بُرا پڑا۔ ان کے دلوں سے خلیفہ اور اسی کے ساتھ خود خلافت کی ہیبت و عظمت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز کسی شخص نے اٹھ کر اس عصا کو توڑ کر پھینک دیا جس کو ہاتھ میں لے کر حضرت عثمان مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا۔

۲۔ حضرت عثمان ضحلم جیا اور نرم مزاجی میں ہمیشہ سے مشہور تھے اور وہ اس سے بہت خائف رہتے تھے کہ کسی فتنہ کا آغاز ان کی ذات سے ہو۔ اسی لئے اکثر امور میں حشم پوشی کرتے تھے اور نرمی سے کام لیتے تھے بلکہ یہ خلق کسی حکیم یا عالم میں ہو تو بہت قابل تعریف ہے لیکن فرماں روا اور خلیفہ کے لئے پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اس سے حکومت اور خلافت کا رعب رعایا کے دلوں میں قائم نہیں رہتا اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ نیز فتنہ پرداز اس کی زرم خونی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں میں شورش پھیلانے لگتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان کو ان کے امراد نے حج کے موقع پر متفقہ طور پر یہ مشورہ دیا تھا کہ ان مفسدوں کی گوشالی کیجئے۔ لیکن انھوں نے سختی کو پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا۔ پھر جب وہ لوگ پہلی بار مدینہ میں آئے تو وہاں بھی اہل رائے نے یہی کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔ لیکن انھوں نے اس وقت بھی کچھ نہیں کیا صرف ان کے جوابات دینے پر کفایت کی۔ حالانکہ ان مفسدوں کا مقصد اصلاح نہ تھا بلکہ فساد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ عبد اللہ بن سبا جو اس تمام فتنہ کا بانی تھا اس کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی تفرقہ ڈال کر ان کو برباد کر دے۔ اس نے اس زمانے کے نیک اور سادہ دل عوام کو رسول اللہ اور ان کی آل کی بیعت کے اظہار سے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا اور وہ اس کے کہنے سے بالکل جھوٹے اور غلط الزامات لگا کر خلیفہ اور امرار وقت کے مخالف ہو گئے۔ انھوں نے ولید

بن عقبہ کی شکایت کی۔ حالانکہ یہی ولید حضرت عمر کے عہد میں ان کی وفات تک عامل رہے تھے۔ وہ سعید بن عاص کے دشمن ہو گئے جن کو جھوٹے بائندے سب بہتر امیر تسلیم کر چکے تھے۔ امیر معاویہ پر الزامات تراشتے تھے جو خلیفہ اول بلکہ عہد رسالت سے معتمد علیہ تھے۔ اور جن کی بدولت رومیوں کے مقابلہ میں اسلام کو زبردست قوت اور شوکت حاصل ہو گئی تھی۔ عبداللہ بن سعد والی افریقہ کے مخالف تھے۔ محض اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ نے ایک بار ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان نے بیچ میں بڑا کر معاف کر لیا تھا۔ حالانکہ جب دربار رسالت سے ان کا جرم معاف کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس کے اوپر ایک دائمی پردہ ڈال دیا گیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس فساد انگیز جماعت کی طرف امت کے رہنماؤں نے بھی بروقت توجہ نہ کی۔ آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے عظیم الشان فتنہ کا ورودازہ کھل گیا جو بڑی تباہیوں کا موجب ہوا۔

اس حادثہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ان میں سے سب سے کم قصور ہے کیونکہ بردباری اور نرم خوئی کسی زمانہ میں بھی قابل ملامت نہیں سمجھی گئی ہے۔ رؤساء مدینہ جن میں اعیان صحابہ اور امراء لشکر موجود تھے ان کے اوپر تاریخ یہ گرفت کر سکتی ہے کہ انھوں نے خلیفہ کی حمایت اور مدافعت میں پوری کوشش نہیں کی ورنہ یہ شورش انگیز آفاقی کبھی اس طرح خلیفہ کو قتل اور خلافت کو ذلیل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دراصل نتیجہ تھا اس بات کا کہ دونوں میں باہم وہ اتحاد باقی نہیں رہ گیا تھا جو پہلے خلفاء کے وقت میں تھا۔

### دفن عثمانؓ

عجیب بات یہ ہے کہ ان باغیوں نے قتل کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے دفن کی بھی اجازت نہیں دی بڑی مشکل سے مخفی طور پر رات کو چند آدمیوں نے لے جا کر ان کو دفن



کیا حضرت عبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بیت عثمانؓ

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پھر رقیہ کے بعد ان کی دوسری بہن حضرت ام کلثوم ان کے نکاح میں آئیں۔ تیسری بیوی فاختہ بن غزو ان تھیں ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ امشتر رکھا۔ یہ بھی کم سنی میں گزر گئے۔ چوتھا نکاح ام عمرو بنت جندب کے ساتھ کیا ان سے عمر۔ خالد۔ ابان اور مریم چار اولادیں ہوئیں۔ پانچواں نکاح قاطیہ مخزومیہ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ولید سعید اور ام سعید تین بچے ہوئے۔ ام البنین بنت عیینہ بن حصہ فزازی بھی ان کے نکاح میں آئیں ان کے شکم سے عبدالملک پیدا ہوئے جو لڑکپن میں وفات پا گئے۔ ساتواں نکاح رملہ بنت شیبہ سے ہوا۔ ان سے عائشہ ام ابان اور ام عمر تین بیٹیاں ہوئیں۔ آخری بیوی نائلہ بنت الفرافصہ تھیں۔ ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئی۔

جس وقت قتل ہوئے۔ اس وقت فاختہ۔ ام البنین۔ رملہ اور نائلہ چار بیویاں تھیں۔

مآثر عثمانؓ

حضرت عثمان ابتدا سے حیا۔ حسن صورت و سیرت اور دانائی میں مشہور اور قریش میں ہر دل عزیز تھے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ یہی تھے۔ پھر مدینہ کی بھی ہجرت کی۔ حبش عسرة کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دئے۔ بئردوسہ جو یہودیوں کا کنواں تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ ۲۶ھ میں کعبہ کے ارد گرد کے مکانات خرید کر حرم کو بڑھایا۔ اسی طرح ۲۹ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور چوڑے اور پتھر سے اس کی تعمیر کی۔ رمضان مبارک میں اہل مدینہ کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور کوفہ میں بھی ضیافت خانے بنوائے تھے۔

خوش خلقی۔ عبادت۔ تقویٰ اور کرم میں اہمیت ممتاز تھے اور عدل و انصاف مساوات

کے اسی قدر عاشق تھے جس قدر حضرت عمرؓ آخری زمانہ خلافت میں کبرنی کی وجہ سے اگر  
 بنی امیہ اور خاص کر مروان بن حکم کی رائے میں نہ آگئے ہوتے تو ان کا زمانہ عہد فاروقی سے کم نہ ہوتا۔  
 صحابہ میں کتاب اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا قرآن سے ان کو سیری نہیں  
 ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ساری رات اس کی تلاوت میں گزار دیتے تھے۔

جب اختلاف قرأت کا خوف ہوا تو امت کو ایک قرأت پر مجتمع کرنے کیلئے صحیفہ صلی  
 کا ایک ایک نسخہ نقل کر کے ہر صوبہ میں بھیج دیا جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں۔

عمال عہد عثمانؓ

مکہ۔ عبداللہ بن حضرمی

طائف۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی

صنعا۔ یعلیٰ بن منیہ

جند۔ عبداللہ بن ربیعہ

بصرہ۔ عبداللہ بن عامر

کوفہ۔ ابو موسیٰ اشعری

شام۔ امیر معاویہ

قنسرین۔ حبیب بن مسلمہ فہری

مصر۔ عبداللہ بن سعد

بیت المال پر عقبہ بن عامر اور قضا پر حضرت زید بن ثابت تھے۔

اگرچہ ان امراء میں سے صرف تین شخص حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔ یعنی امیر معاویہ

عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد لیکن اصلیت یہ ہے کہ بڑی بڑی ولایتیں صرف پانچ ہیں

بصرہ۔ اس کے تابع تمام مشرقی مقبوضات تھے۔

کوفہ۔ رے اور آذربایجان کا دار الحکومت تھا۔

قنسرین۔ اس کے ماتحت سارا آرمینیا تھا۔  
 مصر۔ کل افریقی مفتوحات کا مرکز تھا۔  
 شام۔ پورے چار صوبوں جمص۔ دمشق۔ فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔  
 ان پانچ میں سے تین پر ان کے رشتہ دار تھے جو اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے  
 تھے کوفہ میں بھی پہلے سعید بن عاص تھے جو حضرت عثمان کے قرابت مند تھے یہی وجہ تھی  
 کہ لوگوں نے ان پر نکتہ چینی کی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو حکومتیں دیتے ہیں۔

## حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کے انتخاب کی کیفیت سابقہ خلفاء کے انتخاب سے بالکل جداگانہ تھی۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خفیف اختلاف کے بعد لوگوں نے حضرت  
 ابو بکر صدیق کو خلیفہ تسلیم کر لیا جب وہ گذر گئے تو حضرت عمرؓ بذریعہ فرمان دلی عہدی خلیفہ مقرر  
 ہوئے اور کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح خلیفہ ثالث کے انتخاب کے موقع پر چند افراد  
 میں سے ایک خاص شخص کا تعین کرنا تھا۔ وہ بھی کثرت رائے سے طے پا گیا اور باہم کوئی نزاع نہیں  
 پیدا ہوئی کیونکہ ان تینوں موقعوں پر اکابر صحابہ اور اعیان مہاجرین و انصار بیشتر مدینہ میں  
 موجود تھے جن کے اتفاق کے بعد تمام امت کا اتفاق ہو جاتا تھا۔

### انتخاب

حضرت عثمان کے حادثہ کے وقت بیشتر بزرگان امت دوسرے مقامات میں  
 تھے اور قدرتا مدینہ میں انھی لوگوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا جنہوں نے خلیفہ کو قتل  
 کیا تھا۔ ان کی نگاہ میں حضرت علی سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہ تھا چنانچہ  
 باوجود ان کے انکار کے بھی اصرار کر کے ان کو خلیفہ بنایا۔ سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر  
 مالک شتر نے بیعت کی پھر دوسرے لوگوں نے۔

ان کے نزدیک اب سب اہم یہ بات تھی کہ حضرت طلحہ اور زبیر بھی بیعت کر لیں کیونکہ یہ لوگ بھی رجال ثورائے اور خلافت کے امیدواروں میں سے تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ وہ بلائے گئے۔ حضرت طلحہ کو کچھ پسینہ پیش ہوا اس پر اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پستانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ مجبوراً انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت زبیر نے بھی انھی کی تقلید کی۔

سعد بن ابی وقاص بھی طلب ہوئے۔ انہوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ جب تک سب لوگ بیعت نہ کر لیں گے میں نہیں کروں گا۔ لیکن میری طرف سے کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرو۔ لوگوں نے ان کو مہلت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی کہا۔ ان سے کہا گیا کہ ضامن لاؤ۔ انہوں نے انکار کیا۔ اس پر اشتر نے غصہ میں کہا کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں۔ حضرت علی نے روکا اور کہا کہ یہ کیا جہالت ہے۔ ان کا ضامن میں ہوں۔

دوسرا انصار میں سے حضرت حسان بن ثابت کعب بن مالک مسلمہ بن مخلد ابو سعید ہذرمی محمد بن مسلمہ نعمان بن بشیر زید بن ثابت فضالہ بن عبید اور کعب بن عجرہ نے بیعت نہیں کی۔ دیگر مشاہیر میں سے حضرت عبداللہ بن شعبہ عبداللہ بن سلام اور قدامہ بن مظعون بھی بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ کچھ لوگ اس خیال سے کہ ان کو بیعت نہ کرنی پڑے مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

ترجمہ علیؑ

حضرت علی بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں ہجرت سے ۲۱ سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے۔ اور وہیں ان کی پرورش ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ لڑکوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہجرت مدینہ کا حکم ملا اور ات کو گھر سے نکل کر چلنے لگے تو حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اور حکم دیا کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں ان کو ادا کر کے مدینہ چلے آنا۔ باوجود اس کے کہ دشمنان دین گھر کے چاروں طرف تنگی تلواریں لئے ہوئے کھڑے تھے۔ لیکن حضرت علی بے خوف و خطر اس بستر پر آپ کی ردا و مبارک اوڑھ کر سو رہے۔

ہجرت سے تقریباً پانچ مہینہ کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال پانچ ماہ اور حضرت فاطمہ کی اٹھارہ سال چھ ماہ کی تھی۔

سوائے جنگ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آنحضرت کے ہمراہ تھے اور بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا۔ سخت سے سخت لڑائی میں بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط اسی لکھتے تھے جب آنحضرت نے وفات پائی تو بوجہ قرابت قریبہ کے خلافت کے لئے یہ اپنے حق کو مرجح سمجھتے تھے لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت پر لوگوں نے اتفاق کر لیا۔ اس لئے انھوں نے بھی بیعت کر لی۔ ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہو گئے ان کے عہد میں یہ مشیر خاص رہے ان کی وفات پانچ روز پر امید قوی تھی کہ ان کا انتخاب ہو جائے گا لیکن حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے بالآخر ان کے قتل کے پانچ روز کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

### خطبہ خلافت

بیعت کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی تشریح اور ان کو فتنہ سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی۔ نیز یہ بتلایا کہ ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری کیا ہے۔ پھر خصبیت کے ساتھ تقویٰ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ جو کچھ ہم دنیا میں کریں گے اسی کا نتیجہ آخرت میں دیکھیں گے۔

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا

فرض یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو قائم رکھے۔ لہذا جو لوگ خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے۔ ان سے قصاص لینا چاہیے۔ فرمایا کہ میں بھی اس بات کو جانتا ہوں۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہی لوگ ہمارے اوپر غالب ہو رہے ہیں اس لئے جب تک ہم مغلوب ہیں کیونکر قصاص لے سکتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جو فعل کیا ہے وہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اطمینان و سکون ہو جانے دو اس کے بعد اگر کہنا۔ اس وقت تجھے مہلت دو۔

لوگ واپس چلے آئے لیکن مختلف قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے بعض لوگوں نے اس جواب کو محقول سمجھ کر خاموشی اختیار کی بعضوں نے کہا کہ ان باغیوں کی حالت اگر یہی رہی تو ان کا زور و بدن بڑھتا جائے گا۔ اور پھر ہم کبھی ان سے قصاص لینے پر قادر نہ ہوں گے۔ بنی امیہ بالعموم اور بعض دیگر صحابہ مدینہ سے نکل گئے تھے۔ اس لئے جو لوگ باقی رہ گئے تھے حضرت علی نے ان کو مدینہ میں روک لیا۔ وہ لوگ اس سے بد دل ہو گئے اور کہنے لگے کہ خلافت ان کے ہاتھ میں رہی تو یہ قریش پر سب سے زیادہ سختی کریں گے۔

پہلا کام

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علی نے سب سے پہلے حضرت عثمان کے عہد کے تمام والیوں کی معزول کا فرمان لکھوایا اور ان کے بجائے دوسرے لوگوں کو مقرر کر کے روانہ کیا حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو مدینہ میں عرب میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے ان کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔ نیز ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہ وہ بھی عقلاً قریش میں سے تھے اس کا انجام سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا لیکن انھوں نے نہیں مانا۔

غالباً ان کے دل میں یہ بات بٹھ گئی تھی کہ یہ امراء اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دن بھی والی دیکھے جائیں لیکن قانونی حیثیت سے اگر انتظار کیا جاتا کہ خود یہ امراء اور دیار و امصار کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ اس کے بعد بلا خوف و خطر جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ اس لئے کہ خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہے والی بنائے اور جس کو چاہے

برطرف کر دے۔ اور بلا تکمیل معیت یہ اندیشہ ضرور تھا کہ امراء ان کی خلافت ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اس لئے اس عجیب و غریب عجلت کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس انتظار میں کوئی شرعی مواخذہ بھی نہ تھا۔ بخلاف اس کے خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کو انھوں نے خود روار کھا کھا حالانکہ وہ ایک شرعی حد سے جس میں تساہل کرنے پر مواخذہ عقوبت کا خطرہ تھا۔

عثمان بن حنیف کو بصرہ۔ عمارہ بن شہاب کو کوفہ۔ عبید اللہ بن عباس کو مین قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی امارت کا فرمان دیکر روانہ کیا۔ سہل جس وقت تبوک میں پہنچے شامی سواروں کا ایک دستہ ان کے سامنے آیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں خلیفہ کی طرف سے شام کا امیر مقرر ہوا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر حضرت عثمان نے آپ کو مقرر کیا ہے تو خوشی سے تشریف لائیے ورنہ واپس جائیے۔ مجبوراً سہل واپس چلے آئے۔

قیس بن سعد جب مصر میں پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ مخالف تھے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ جب تک خلیفہ ہمارے بھائیوں سے قصاص نہ لیں گے ہم ان کے طرفدار ہیں بعض لوگ دونوں فریق کا ساتھ چھوڑ کر کہنے لگے کہ ہم دیکھتے ہیں اگر حضرت علیؑ نے خلیفہ مقتول کا قصاص لیا تو خیر ورنہ ہم ان کو خلیفہ نہیں تسلیم کریں گے۔ والی بصرہ عبداللہ بن عامر حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عثمان بن حنیف کے پہنچنے پر مصر کی طرح وہاں بھی تین جماعتیں ہو گئیں۔

عمارہ سے کوفہ کے راستہ میں مقام زبالہ میں طلحہ بن خولید اسدی ملے جو حضرت عثمان کے قتل کی خبر پا کر ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آرہے تھے۔ انھوں نے عمارہ سے کہا کہ یہیں سے پلٹ جاؤ۔ ورنہ ہم تمہارا سر کاٹ لیں گے۔

مین میں عبید اللہ بن عباس کے آنے کی خبر سن کر یعلیٰ بن مندبہ خراج کی کل رقم

جو وصول ہوئی تھی لے کر بکے چلے آئے۔

شورش عام

تمام اسلامی صوبوں کے صدر مقامات میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔

امیر معاویہ والی شام جو بنی امیہ کے رئیس اعظم تھے حضرت علی کی خلافت پر رضامند نہ ہوئے کیونکہ وہ خلیفہ کے قتل کے حادثہ میں حضرت علی کو متہم سمجھتے تھے اور اس تہمت کو اس سے تقویت پہنچی کہ حضرت علی نے ان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ بلکہ ان کو اپنے لشکر میں رکھا علاوہ بریں حضرت علی کی طرف سے ان کی معزولی کا فرمان صادر ہوا جس سے انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کی خلافت کا نتیجہ میرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

چونکہ ان کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج بھی تھی جس میں وہ بہت ہرول عزت رکھتے اور جو خود ان کو بہ نسبت کسی دوسرے شخص کے خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی۔ اسی لئے انھوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کر دیا۔

حضرت علی نے سبرہ جہنی کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ لیکن امیر معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عثمان کے قتل کے تیسرے مہینے اعلان مخالفت کیلئے بنی عباس کے ایک شخص کو ایک سادہ قرطاس دیا جس پر نیچے ان کی مہر لگی ہوئی تھی اور عنوان پر صرف یہ لکھا ہوا تھا۔  
از معاویہ بہ علی (رضی اللہ عنہ)

اور اس سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ میں داخل ہونا تو اس کو نیچے سے پکڑ کر ہاتھ میں لٹکائے رکھنا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔

یکم ربیع الاول ۳۶ھ کو عبسی مدینہ میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس طومار کو دیکھا۔ پھر وہ حضرت علی کے پاس آیا۔ اور اس کو ان کے حوالہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس میں تو کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تم بتلاؤ کہ بات کیا ہے۔ اس نے کہا کہ جامع دمشق کے منبر پر خلیفہ مقتول کا خون



آلودہ پیراہن اور نالہ کا کٹا ہوا ہاتھ رکھا ہے۔ اور ساٹھ ہزار آدمی ان کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جب تک ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے کبھی راضی نہ ہوں گے۔

حضرت علی نے پوچھا کہ کس سے بدلہ لیں گے؟ اس نے کہا کہ آپ سے۔ فرمایا کہ میں تو خود عثمان کی طرح مغلوب ہوں۔ اب حضرت عثمان کے قاتل بیچ گئے۔ ان سے قصاص ملنا مشکل ہے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف رخ کر کے کہا:۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بوی ہوں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب عبسی فرستادہ واپس چلا تو سبائی فرقہ کے لوگوں نے قتل کرنے کے لئے اس کا بیچا کیا۔ اس نے مدینہ کے قبائل کو پکارا۔ آخر لوگوں نے بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی۔

امام حسن نے حضرت علی سے عرض کیا کہ باہم مسلمانوں میں خونریزی نہیں ہونی چاہیے لیکن وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا اور اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو علم عطا فرما کر خود فوج اور سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔

اسی اثنا میں ایک دوسری خبر آئی جو اس سے بھی سخت تھی یعنی یہ کہ ام المومنین عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ گئے ہیں اور وہاں حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے اجتماع ہو رہا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ مدینہ سے حضرت عثمان کی محصوری کے زمانہ میں حج کے لئے شریف لے گئی تھیں۔ وہیں ان کو اطلاع ملی کہ باغیوں نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کو خلیفہ کے قتل سے نہایت صدمہ ہوا۔ انھوں نے حرم میں مسلمانوں کے سامنے ایک موثر تقریر کی جس میں ثابت کیا کہ جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے اس سلام کا ایک بہت بڑا اصول توڑ ڈالا ہے اور وہ لوگ باغی ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس فساد کی اصلاح کی کوشش کریں۔

مگر میں اس وقت عبد اللہ بن حضرمی عامل تھے بصرہ سے علی بن ابی طالب بھی آگئے ادھر

مدینہ سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی پہنچ گئے۔ ان سب لوگوں نے باہم طے کیا کہ بصرہ میں جل حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے مروان وغیرہ اکثر افراد بنی امیہ کے بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے حضرت عبدالرحمن بن قتیبہ بن اسید میر قافلہ مقرر ہوئے۔ وہی نماز پڑھاتے تھے۔

جب بصرہ کے قریب پہنچے تو وہاں کے امیر عثمان بن حنیف نے جو حضرت علی کی طرف سے مقرر ہوئے تھے عمران بن حصین اور ابوالاسود دہلی کو اس قافلہ میں بھیجا کہ دریافت کریں کہ آنے کی غرض کیا ہے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہم خلیفہ مقتول کا قصاص چاہتے ہیں حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی جواب دیا۔ ان دونوں نے کہا کیا تم لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ کہا بے شک۔ لیکن جبراً ہم سے بیعت لی گئی۔

عثمان بن حنیف نے یہ سن کر چاہا کہ اس قافلہ کو بصرہ میں آنے سے روکیں لیکن وہاں کے سب لوگ ہم خیال نہیں تھے۔ عثمان اپنی جماعت لے کر نکلے اور اس قافلہ کے بائیں پہلو پر مقام مرید میں ٹھہرے۔ بصرہ کی دوسری جماعت جو ام المومنین کی ہم آہنگ تھی وہاں طرف جا کر مجتمع ہوئی۔

حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے خلیفہ مقتول کے قصاص کے مطالبے کیلئے جوش دلا یا۔ عثمان کے ساتھی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور لڑنے کے لئے بڑھے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے جن کی آواز بلند اور رعب دار تھی مجمع کے سامنے تقریر شروع کی۔ ان کے بیان سے نہ صرف لڑائی رک گئی بلکہ مخالفین نصف سے زائد اگر ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور کہنے لگے کہ ام المومنین نے جو کچھ فرمایا بالکل درست اور صحیح ہے۔

حکیم بن جبلیہ جس کے یہاں عبداللہ بن سائب سے پہلے آکر ٹہرا تھا اس نے جنگ شروع کر دی۔ لوگوں نے اس کو منع کیا اور اس سے ہاتھ روکے رکھا۔ لیکن جب وہ نہ مانا تو مدافعت کی۔ تھوڑی دیر میں رات کی تاریکی نے لڑائی کو ختم کر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عثمان اور حکیم دونوں نے جنگ شروع کی۔ حضرت عائشہ کا منادی

برابر ان کو آواز دیتا تھا کہ نہ لڑو لیکن وہ دوپہر تک لڑتے رہے۔ آخر میں جب شکست  
کھائی تو صلح کی۔ قرار داد یہ ہوئی کہ مدینہ میں ایک معتبر آدمی بھیجا جائے جو وہاں کے لوگوں  
سے دریافت کر کے آئے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے جبراً بیعت لی گئی ہے یا نہیں۔ اگر واقعی  
جیسا کہ ان کا بیان ہے ان کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی ہے تو ہم لوگ بھی  
آپ کے ساتھ ہو جائیں گے ورنہ آپ ہمارے ساتھ ہو جائیں۔

بصرہ کے قاضی کعب بن سور مدینہ روانہ کئے گئے۔ انھوں نے پہنچ کر مسجد نبوی میں پکار  
کر کہا کہ مجھ کو اہل بصرہ نے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے خلافت  
کی بیعت جبراً لی گئی یا انھوں نے اپنی خوشی سے کی ہے۔ اس لئے جو اصلیت ہو مجھ کو بتا دی  
جائے سب لوگ سن کر خاموش رہے لیکن حضرت اسامہ بن زید نے صاف کہہ دیا کہ دونوں سے جبراً  
بیعت لی گئی ہے۔ سہیل بن حنیف اور ان کے چند ہم خیال حضرت اسامہ پر حملہ کر بیٹھے۔ اگر حضرت  
صہیب۔ ابوالیوب انصاری اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے بچا نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ لوگ ان کو  
مار ڈالتے۔ حضرت صہیب اسامہ کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ جس طرح ہم سب لوگ خاموش رہے  
اگر اسی طرح تم بھی چپ رہ جاتے تو کیا حرج تھا۔

حضرت علی کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے عثمان بن حنیف کو خط لکھا  
کہ تم شامل کر رہے ہو اگر ان سے جبراً بھی بیعت لی گئی تو کیا ہوا کیونکہ وہ اتحاد پر مجبوسے  
گئے تھے نہ کہ افتراق پر۔

کعب بن سور اور یہ خط دونوں ایک ساتھ بصرہ میں پہنچے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے  
عثمان سے کہا کہ کعب نے چونکہ ہماری بات کی تصدیق کر دی اس لئے قرار داد کے مطابق  
تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ لیکن انھوں نے خلیفہ کے حکم کی بنیاد پر انکار کر دیا۔ آخر لڑائی  
ہوئی اور گرفتار کئے گئے۔ حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو جہاں چاہیں چلے جائیں وہ  
بہا ہو کر مدینہ میں حضرت علی کے پاس آگئے۔ حکیم بن جبلة اور اس کے بہت سے ساتھی جو حضرت

عثمان کے خون میں شریک تھے مارے گئے۔

اس کے بعد اعلان عام کر دیا گیا کہ جس جس قبیلہ میں ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمان کے قتل میں شرکت رکھتے تھے پکڑ کر لائے جائیں۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے لوگ لائے گئے۔ ان میں سے جس جس کا جرم پایہ ثبوت کو پہنچ گیا وہ قتل کیا گیا۔

بصرہ سے کوفہ اور شام میں بھی خطوط بھیجے گئے کہ وہ لوگ بھی خلیفہ مظلوم کے قصاص کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

### واقعہ جمل

حضرت علی شام پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن جب بصرہ کے اجتماع کی خبر معلوم ہوئی تو پہلے اسی طرف رخ کرنا مناسب سمجھا۔ مدینہ سے ایک ابنہ ان کے ساتھ چلا مقام ریدہ میں پہنچ کر چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا کہ وہاں سے لوگوں کو مدد کے لئے لائیں۔ جب وہ لوگ کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے رؤساء والی کوفہ ابو موسیٰ اشعری کے پاس جمع ہوئے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ چاہا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بالکل الگ ہونا چاہیے اس میں جو سویا ہے وہ بیٹھے سے اور جو بیٹھا ہے وہ چلنے والے سے بہتر ہے۔ حضرت علی کے فرستادوں نے اپنی تقریروں میں ابو موسیٰ کی سخت مخالفت کی اور ان کو سخت وسست بھی کہا۔ سب کے بعد امام حسن نے لوگوں کو مخاطب کیا اور ان کو زمی کے ساتھ سمجھا کر کہا کہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور جو مصیبت اس وقت نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے میں ان کی امداد کرو ان کے سمجھانے سے لوگ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور کم و بیش نو ہزار آدمی دریا اور خشکی کی راہ سے گئے۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا انھوں نے آکر دریافت کیا کہ آپ کا کیا مقصد ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ اصلاح حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی کہا۔ قعقاع نے پوچھا کہ اصلاح سے کیا مراد ہے فرمایا کہ خلیفہ

مقتول کا قصاص۔ کیونکہ قصاص نہ لینا قرآن کو پس پشت ڈالنا ہے۔ ققاع نے کہا: تم نے بصرہ کے باغیوں سے خود قصاص لینا شروع کیا۔ اگر اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو تمہارا دعویٰ زیادہ قوی ہوتا۔ تم نے یہاں کے ایک کم چھ سو آدمیوں کو جو حضرت عثمان کے خون میں شرکت رکھتے تھے قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے جب اس ایک یعنی حرقوص بن زبیر کو بھی تم نے پکڑنا چاہا تو وہی چھ ہزار اس کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور آخر وہ گرفتار نہ ہو سکا۔ لہذا اس سے قصاص لینا تم نے ترک کر دیا۔ کیا یہ قرآن کا پس پشت ڈالنا نہیں ہے جس بات کو خود چھوڑتے ہو اسی کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہو۔

میرے خیال میں اس فتنہ کا علاج صرف یہ ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد ہرم کی اصلاح ہو سکتی ہے اگر تم لوگ بیعت کرو گے تو امت کی بہتری کے لئے وہ ایک نیک نیک ہوگی اور خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص بھی مل جائے گا ورنہ باہمی خونریزی کی صورت میں وہ لوگ بچ جائیں گے اور امت مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جائے گی۔ میں اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری امت کا ہے اس میں غور و فکر سے کام لیجئے اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں نہ آپ اور نہ یہ امت جو اس وقت حوادث کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

ققاع کی تقریر سب لوگوں نے پسند کی اور کہا کہ تمہاری باتیں نہایت مناسب اور درست ہیں۔ اگر حضرت علی کا یہی خیال ہے جو تم نے ظاہر کیا تو مصالحت بہت آسان ہے۔

ققاع نے واپس آ کر تمام ماجرا حضرت علی کو سنا یا۔ وہ خوش ہوئے۔ دوسرے دن صبح کو بصرہ کی طرف چلے۔ اور حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں جو لوگ اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان کے قتل میں کسی قسم کی اعانت کی ہے یہیں رہ جائیں اور ساتھ نہ چلیں یہ سن کر عبداللہ بن سبائے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ ساتھ ساتھ لگے رہو۔ اور جب

دونوں فریق ملیں تو فوراً جنگ شروع کر دو۔ مصالحت کا موقع کسی طرح پر نہ آنے دو۔  
حضرت علی بصرہ کے متصل فزوکش ہوئے۔ دونوں طرف سے سفیروں کی آمد و رفت شروع  
ہوئی اور صلح کی کل باتیں طے ہو گئیں۔ رات کو لوگ اطمینان کے ساتھ سوئے ان کو یقین تھا کہ  
صلح میں اب کسی قسم کا شبہ نہیں لیکن طلوع فجر سے پیشتر ہی سبائی فرقہ نے بصرہ کی جمعیت پر  
ایک جانب سے حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے  
معلوم ہوا کہ کوفیوں نے جنگ شروع کر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا پہلے ہی سے  
گمان تھا کہ حضرت علی بلاخوزیری کئے ہوئے نہیں مائیں گے۔

ادھر حضرت علی نے بھی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی شورش ہے سبائیوں جو ان کے  
ساتھ لگے رہتے تھے فوراً جواب دیا کہ اہل بصرہ نے رات کو ہمارے اوپر چڑھائی کی۔  
ہم نے ان کو پیچھے دھکیلا۔ وہاں سواروں نے حملہ کر دیا۔ پھر ادھر سے بھی لوگ پہنچ گئے  
حضرت علی یہ سن کر کہنے لگے کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ طلحہ اور زبیر بلا جنگ کئے  
ہوئے نہیں رہیں گے۔

اب فریقین میں جنگ عام شروع ہوئی۔ ادھر سے حضرت علی سوار ہو کر نکلے اور ادھر سے  
حضرت عائشہ اونٹ پر ہوج میں بیٹھ کر میدان میں نمودار ہوئیں۔  
یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں باہمی خوزیری کے لئے تلواریں  
کھینچ کر آمنے سامنے آئیں۔

نہایت سخت جنگ ہوئی۔ بصرہ کے اکثر رؤساء ام المؤمنین کے اونٹ کے ارد گرد  
محافظت کے خیال سے اکٹھے ہو گئے۔ وہاں کشتوں کے پتے لگ گئے۔ خود ہودج میں اس  
قدر تیرا کر لگے تھے کہ دور سے وہ کاسٹوں کا ایک گچھا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ اس طرح لڑائی کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا تو حکم دیا کہ اونٹ کا  
پاؤں کاٹ دیا جائے۔ جب وہ گر پڑا تو اہل بصرہ شکست کھا گئے۔ محمد بن ابی بکر اور

عمار بن یاسر نے آکر ہودج کی رسیاں کاٹیں اور اس کو اٹھا کر لشکر سے الگ لے جا کر رکھا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ کو بصرہ میں لے گئے۔

اس جنگ میں طرفین سے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے۔ جن میں حضرت طلحہ اور ان کے بیٹے محمد اور عبدالرحمن بن عتبہ وغیرہ ناموران قریش شامل تھے حضرت زبیر مدینہ کی طرف چل نکلے۔ عمرو بن جرموز نے جو ان کے پیچھے لگا تھا وادی سباع میں پہنچ کر ان کو تیر سے ہلاک کر ڈالا۔

مقتولین کو دفن کرانے کے بعد حضرت علی نے بصرہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد ام المومنین کی خدمت میں گئے۔ ان سے گفتگو کی اور ان کی مدینہ کی روانگی کا سامان کیا جس دن وہ روانہ ہوئیں خود بصرہ سے ان کے ساتھ نکلے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا :-

مجھ میں اور علیؑ میں بجز ان شکوؤں کے جو باہم رشتہ داروں میں ہوا کرتے ہیں اور کسی قسم کی عداوت یا دشمنی نہیں تھی۔ اور میں باوجود ناراضی کے ان کو بہترین لوگوں میں سمجھتی ہوں۔

حضرت علیؑ نے کہا کہ :-

ام المومنین نے بالکل سچ فرمایا۔ مجھ میں اور ان میں کوئی سابقہ رنجش نہیں تھی۔ ان کا رتبہ بہت بڑا ہے وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح دنیا میں بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں بھی ہوں گی۔

بصرہ سے ان کی روانگی یکم رجب ۳۶ھ کو ہوئی کسی میل تک خود حضرت علیؑ ساتھ تھے۔ امام حسن اور حسین ایک منزل تک آئے اور محمد بن ابی بکر مدینہ تک ساتھ رہے۔

جب سکون ہو گیا تو حضرت علیؑ نے اہل بصرہ سے بیعت لی۔ وہاں کی امارت کے عہد پر عبداللہ بن عباس اور خراج کی تحصیل پر زیاد بن ابی سفیان کو ضرر فرمایا۔

یہ جنگ جس نے آئندہ کے لئے مسلمانوں میں باہمی خیر برائی کا دروازہ کھول دیا۔

اس کی ذمہ داری سے فریقین میں سے کوئی بھی بہتہ و جوہ بری نہیں کیا جاسکتا حضرت عائشہ  
 طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم خلیفہ مقتول کے خون کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ظاہر ہے  
 کہ قصاص لینے کا حق صرف امام کو حاصل ہے۔ اگر اس الزام پر کہ امام کسی شرعی حد میں  
 کوتاہی کرتا ہے۔ دوسرے رد ساء امت اس حق کو اپنے ہاتھ میں لینے لگیں تو اسلامی نظام  
 کی بنیاد ہی مٹ جائے گی۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ کس اختیار سے انھوں نے  
 اہل بصرہ سے خود قصاص لینا شروع کر دیا۔

غلادہ بریں ایک طرف تو وہ حضرت علی کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دوسری  
 طرف خود انھیں سے مطالبہ کرتے تھے کہ قصاص لیں۔ حالانکہ ایسی صورت میں ان کا مطالبہ  
 صرف یہ ہونا چاہیے تھا کہ ارباب حل و عقد پہلے امامت کا فیصلہ کر دیں۔ امامت  
 حد کا سوال اس کے بعد کا تھا۔

ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اتنے صبر و تحمل سے کام نہیں لیا کہ اس رخنہ  
 کو بہتر طریقہ سے بلاخونریزی کے بند کرتے۔ مدبر کی صفت یہ ہے کہ مشکلات کو حسن تدبیر  
 سے حل کر لے۔ اور تلوار صرف اس وقت اٹھائے جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان سبائی شیاطین نے جو مصالحت کے دشمن تھے اپنی  
 عیاری سے امت کو جنگ میں پھنسا دیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے وقت  
 میں جبکہ چاروں طرف سے امت قصاص کا مطالبہ کر رہی ہو ایسے لوگوں کو اپنی فوج  
 میں رکھنا جن کو باہمی مصالحت سے اپنا نقصان نظر آتا ہو مصالحت کے خلاف تھا  
 کیونکہ وہ بالطبع ہر قسم کے اتفاق اور آشتی میں رخنہ انداز ہوں گے۔

(بیزیرہ امر بھی اصول لشکر کشی کے مطابق سپہ سالار کے لئے ایک الزام ہے کہ اس کی  
 فوج کی کوئی جماعت اس کی نیت کے خلاف اس کو جنگ پر مجبور کر دے۔)

جنگ صفین: جمل کی لڑائی دراصل ویساچہ تھی ایک اس سے بھی دردناک جنگ



لا جو صفین کے میدان میں ہونے والی تھی۔

حضرت علی نے بصرہ سے کوفہ میں آکر جریر بن عبداللہ بجلي کو امیر معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے دمشق پہنچ کر اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر معاویہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

شام کے سرداروں اور سپاہیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک خلیفہ مقتول کا قصاص نہ لیں گے اس وقت تک نہ فرش پر سوئیں گے اور نہ اپنی بیویوں سے ملیں گے اور شام اسلامی فوج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے وہاں کی فوج جنگ میں مشاق اور ساز و سامان سے آراستہ تھی اور امیر معاویہ جو اسلامی امرا میں سب سے بڑے سیاسی مدبر تھے ایک مدت سے ان کے اوپر حکومت کرتے چلے آتے تھے اور ان کے دلوں پر پورا قابو حاصل کے ہوئے تھے۔

اس عظیم الشان طاقت کی وجہ سے انھوں نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کیا اور ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ خود خلیفہ مظلوم کے قتل میں شریک یا یہ کہ کم از کم ان کے قاتلوں کے حامی ہیں۔

جریر بن عبداللہ نے واپس آکر حضرت علی کو شام کی کیفیت سنائی۔ ابلان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لشکر کشی کریں۔ اس لئے فوج لے کر نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ امیر معاویہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی شامی فوجوں لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت علی جزیرہ کے راستہ سے رقبہ پہنچے۔ وہاں دریائے فرات کو عبور کیا جب آگے بڑھے تو شامی فوجیں سامنے آگئیں دونوں لشکروں کے طلائیوں میں ایک خنیف سی جنگ ہو کر رک گئی۔ اس کے بعد فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل خمیر زن ہو گئے۔

حضرت علی نے بشیر بن عمرو انصاری مجید بن قیس ہمدانی اور شہبث بن ربعی تمیمی کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ ان کے خمیرہ میں پہنچے تو بشیر نے کہا کہ :-

اے معاویہ! دنیا فانی ہے۔ تم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہاں اپنے عمل کا حساب دینا ہے۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ امت میں تفریق نہ ڈالو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم نے یہ وعظ حضرت علی کو کیوں نہیں سنایا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سابقین اولین میں سے ہیں اور اپنے فضائل اور آنحضرت کے ساتھ قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے کل مسلمانوں سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں۔ آپ بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے تاکہ امت کا شیرازہ نہ ٹوٹے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ خلیفہ مظلوم کا خون کہاں جائے گا۔ کیا ہم اس کو بلا قصاص کے چھوڑ دیں۔ اس پر شیت بن ربیع کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

تم نے جو کچھ کہا اس سے ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے جس غرض کے لئے تم لڑنا چاہتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تم نے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ دعویٰ اٹھایا کہ خلیفہ کا قتل ناجائز تھا۔ اس لئے ان کے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہیے ہم کو خوب معلوم ہے کہ تم خود چاہتے تھے کہ وہ مارے جائیں۔ تاکہ تم کو خلافت حاصل کرنے کا موقع مل سکے اور یہی وجہ تھی کہ تم نے قصداً ان کی امداد میں دیر لگائی۔ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ ہر شخص اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ اگر تم ناکام رہے تو تم سے بڑھ کر کوئی بد بخت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کامیاب بھی ہو گئے تو مسلمانوں کی خونریزی کی بدولت جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتے۔ لہذا دونوں صورتیں تمہارے حق میں بری ہیں اس لئے اللہ کا خوف کر کے اس تفریق سے

باز رہو اور جو شخص امامت کا مستحق ہے اس کی مخالفت نہ کرو۔

اس سخت گفتگو کا جواب امیر معاویہ کی طرف سے بھی سخت دیا گیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔

لڑائی شروع ہوئی مسلمانوں کا دل آپس میں لڑتے ہوئے دکھتا تھا۔ نیز وہ ڈرتے تھے

کہ باہمی خونریزی سے اسلامی قوت فنا ہو جائے گی۔ اس لئے فریقین میں سے ایک ایک دستہ نکل کر کبھی کبھی جنگ آزمائی کر لیتا تھا۔ اسی طرح ذی حجہ کا سارا مہینہ گزر گیا جب محرم ۳۰ شروع ہوا تو ایک مہینہ کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی امید تھی کہ اس درمیان میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے گی۔

حضرت علی نے عدی بن حاتم طائی بیزید بن قیس، زیاد بن خصفہ اور شیت بن ربیع کو جو پہلی بار بھی گئے تھے اور جن کی سخت کلامی سے بے نیل مرام واپس آنا پڑا تھا امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ پہلے عدی نے تقریر کی۔

ہم تمہارے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں اگر تم اسے منظور کر لو گے تو امت میں اتحاد و اتفاق قائم ہو جائے گا اور باہمی خونریزی نہ ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی کو ان کے فضائل کی وجہ سے تمام امت نے بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا ہے صرف ایک تم اور تمہارے ساتھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے بیعت نہیں کی ہے لہذا تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ اور تفریق سے باز رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو جو جبل والوں کا ہوا۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم مصالحت کے لئے آئے ہو یا دھمکانے کے لئے؟ میں حرب کا بیٹا ہوں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ عدی! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم بھی عثمان کے قاتلوں کے ساتھ شریک تھے۔ انشاء اللہ انھیں ظالموں کے ساتھ قتل بھی کئے جاؤ گے۔

بیزید بن قیس نے کہا کہ :-

ہم صرف اس لئے آئے ہیں کہ وہاں کا پیغام یہاں پہنچا دیں اور جو جواب ملے اس کو جا کر سنا دیں لیکن اس ضمن میں آپ کے فائدے کی جو باتیں ہیں خیر طلبی کے خیال سے ان کو بھی خدمت میں عرض کر دیں۔

حضرت علی جس درجہ اور رتبہ کے آدمی ہیں آپ جانتے ہیں۔ امت اسلامیہ ان کے

ہوتے ہوئے کسی شخص کو خلافت کے لئے قبول نہیں کر سکتی ہم نے ایسا متقی دنیا سے بے تعلق اور اخلاقِ حسنہ کا جامع کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ اس لئے ان کی مخالفت آپ کو نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ جماعت کی تفریق کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

امیر معاویہ نے کہا کہ :-

جس کو تم جماعت کہتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے (علی رضی اللہ عنہ) کی اطاعت کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا۔ امت میں تفریق ڈالی۔ قاتلوں کو اپنے پاس پناہ دی۔

اگر تم یہ کہو کہ انھوں نے خلیفہ کو نہیں قتل کیا تو ہم اس کی تردید نہیں کریں گے بشرطیکہ وہ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے کر پھر تمہاری بات مان لیں گے۔

شہبث بن ربعی نے کہا کہ :-

معاویہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم عمار بن یاسر کو تمہارے حوالہ کر دیں اور تم ان کو قتل کر دو۔

امیر معاویہ نے کہا کہ بے شک! میں تو ان کو حضرت عثمانؓ کے غلام نائل کے قصاص میں قتل کر دوں گا۔ حدودِ شریعیہ میں کیا رعایتِ شہبث نے جواب دیا کہ یہ تو اس وقت تک ممکن نہیں ہے کہ جب تک ہزاروں آدمیوں کے سر ان کے کندھوں پر سے نہ اڑ جائیں اور سطحِ زمین بادِ جوداں وسعت کے تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو سطحِ زمین بہ نسبت میرے تمہارے لئے زیادہ تنگ ہو جائے گی پہلی سفارت کی طرح اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ قریقین کے دلوں میں اور نفرت بڑھ گئی۔

امیر معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ، شریح بن سلمہ، معن بن یزید اور خنس بن شریح حضرت علی کے پاس گئے۔ حبیب نے کہا کہ :-

عثمان بن عفان خلیفہ برحق تھے اور کتابِ دست پر عمل کرتے تھے۔ آپ لوگوں نے ان کو

قتل کر ڈالا۔ اگر آپ ان کے قتل میں شریک نہیں تھے تو ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیجئے  
ہم ان سے قصاص لیں اور آپ خلافت چھوڑ دیں امت مشورہ عام سے جس کو  
چاہے گی خلیفہ منتخب کر لے گی۔

حضرت علیؑ نے بگڑ کر کہا کہ چپ رہو۔ تم کو یہ کہنے کا کہاں سے حق حاصل ہے کہ  
خلافت چھوڑ دو۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔

صیب نے کہا پھر میں ہوں اور میدان حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم اور تمہارا سارا  
شکر جاؤ جو کچھ ہو سکے میرے مقابلہ کے لئے کرو۔

شرعیل نے کہا کہ میں بھی اگر کہوں گا تو وہی کہوں گا جو صیب نے کہا کیا اس کے  
سوا کوئی دوسرا جواب آپ دیں گے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہاں!! پھر ایک طویل تقریر کی اللہ و رسول کے ذکر کے  
بعد خلافت کا بیان شروع کیا اور کہا کہ:-

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابو بکر رضی خلیفہ ہو گئے پھر انہوں  
نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر رضی کو ولی عہد کر دیا یہ دونوں عادل اور نیک سیرت  
تھے ہم کو ان سے صرف یہ شکایت تھی کہ ہم رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ دار تھے ہمارے  
ہوتے ہوئے خلافت ان کا منصب تھا مگر ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہم خاموش رہے  
اور اس شکایت سے درگزر کیا جب عثمان خلیفہ ہوئے تو ان سے چند امور ایسے سرزد ہوئے  
جن کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ناراضی یہاں تک بڑھی  
کہ ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی میں نے انکار کیا مگر لوگوں  
نے اصرار کیا اور کہا کہ امت تمہارے سوا کسی دوسرے شخص کو منظور نہیں کر سکتی اور اگر  
تم بیعت نہیں لو گے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ ناچار میں اس کے لئے تیار ہو گیا  
پہلے وہ دونوں شخص (حضرت طلحہ اور زبیرؓ) باوجود بیعت کر لینے کے میرے مقابلہ

میں آئے اور اب معاویہ مخالفت پر آمادہ ہیں جو سابقین تو کجا ہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں نہ اسلام کی خدمت میں ان کا کوئی کارنامہ ہے بلکہ وہ اور ان کے باپ برابر اللہ و رسول کی دشمنی کرتے رہے اور فتح مکہ کے دن مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔

ان سے اس مخالفت کو میں بغیر نہیں سمجھتا لیکن مجھ کو حیرت اس بات پر ہے کہ تم لوگ کیوں ان کا ساتھ دے رہے ہو۔ اپنے نبی کے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑتے ہو اور ان کی اطاعت سے منہ موڑتے ہو۔ میں تم کو کتاب اور سنت کی طرف بلاتا ہوں اور بس۔ ہمارا کام یہ ہے کہ باطل کو مٹائیں اور حق کا ساتھ دیں۔

شر حبیل نے کہا کہ حضرت عثمان کا قتل ظلم تھا جو شخص ان کے قاتلوں سے قصاص نہ لے بلکہ ان کو پناہ دے ہم اس سے بری ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ اٹھ کر چلے آئے اور یہ سفارت بھی بے نتیجہ رہی۔

ماہ محرم کے گزر جانے کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ مخالفین کو ہم نے ہر طرح پر سمجھایا اور حق کی طرف بلایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اسی لئے اب سوائے جنگ کے کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

رات بھر دونوں فریق صبح کی جنگ کیلئے تیاری کرتے رہے یکم صفر ۳۵ھ کو لڑائی شروع ہوئی لیکن روزانہ ایک دو دو سے ادھر ادھر سے نکل کر خفیف مقابلہ کر کے واپس چلے آتے تھے ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ آٹھویں روز حضرت علی نے عام حملہ کا حکم دیا۔ فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان جنگ میں آگئے اور ہولناک جنگ شروع ہوئی۔ یہی وہ نامبارک تاریخ تھی جس میں اسلامی الفت اور اخوت کا شیرازہ ٹوٹ گیا اور امت کی طاقت اور شوکت کو سخت صدمہ پہنچ گیا۔

دن بھر محرم کا رزا گرم رہا۔ شام کو عراقی اور شامی دونوں فریق غیر مغلوب واپس آئے۔ دوسرے دن پھر جنگ ہوئی شامیوں کے پیارے حملوں سے عراقیوں کے سمیڑے شکست کھائی حضرت علی نے میسرہ کو اپنا قرار گاہ بنایا۔ وہاں سے بھی اہل مصر تائب لا کر بھاگے۔ حضرت علی رضی

نے اشتر سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ موت سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ اشتر کے جوش دلانے سے مصری پھر پلٹے۔ اور ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کی صفیں الٹ دیں عصر کے وقت قلب تک بڑھ گئے۔ اشتر تو بالکل امیر معاویہ کے محافظوں تک پہنچ گئے۔ امیر معاویہ نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ سوچ کر رک گئے۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی اسی میں عمار بن یاسر مقتول ہوئے۔ شام کو بھی لڑائی بند نہ ہوئی بلکہ قادیسیہ کی طرح رات بھر دونوں فریق مصروف پیکار رہے۔ صبح کے وقت اشتر نے شامیوں کے مہینہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی سلسلہ داران کی مدد کے لئے دستے پر دستے بھیجتے تھے اور وہ شامیوں کو دباتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک نیروں پر قرآن اٹھا کر اہل شام پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کتاب اللہ سے اہل عراق اگر فنا ہو گئے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ اور شامی مٹ گئے تو مغربی حملوں کی مدافعت کے لئے کہاں سے لوگ آئیں گے۔

عراقیوں نے قرآن دیکھ کر ہاتھ روک لیا۔ اور کہا کہ ہم کو کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے حضرت علی نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حق پر ہو اپنا ہاتھ نہ روکو فتح میں اب دیر نہیں ہے معاویہ عمر بن عاص۔ ابن ابی معیط۔ حبیب بن مسلمہ۔ ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس ان سب کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ لڑکوں میں یہ سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اور جوانوں میں بدترین جوان۔ انھوں نے یہ قرآن اس نیت سے ہرگز نہیں اٹھائے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ یہ ان کی ایک چال ہے جس سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں کہ تم لڑائی سے باز رہو۔

اہل عراق بولے کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور ہم انکار کر دیں مسعر بن فدکی اور اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ کتاب اللہ کے فیصلہ کو منظور کیجئے۔ ورنہ ہم ساتھ چھوڑ دیں گے۔

اشتر ابھی تک شامیوں کو دھکیلتے آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ لوگوں نے حضرت علیؑ

سے کہا کہ ان کو واپسی کا حکم دیجئے انہوں نے کہا بھینجا لیکن اشتر نے جواب دیا کہ یہ واپسی کا وقت نہیں ہے۔ فتح قریب آگئی ہے۔ عراقیوں نے حضرت علی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درپردہ لڑائی کا حکم دے رکھا ہے اگر واپس نہیں بلاتے تو آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں گے جو ہم نے عثمان کے ساتھ کیا۔ حضرت علی نے پھر اشتر کے پاس حکم بھیجا کہ جلد آجاؤ اور ہر فتنہ برپا ہو گیا۔ مجبوراً ان کو میدان چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔

جب لڑائی بند ہو گئی تو حضرت علی نے اشعث بن قیس کو بھیجا کہ معاویہ کا مقصد دریافت کریں۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک بیخ تمہاری طرف سے اور ایک بیخ تمہاری طرف سے مقرر ہو وہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے ہماری اور تمہاری نزاع کا فیصلہ کریں اور ہر فریق ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائے اشعث نے کہا کہ یہ بہت معمول تجویز ہے وہاں سے واپس آ کر حضرت علی کو اس کی اطلاع دی۔ عراقیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ یہ صورت نہایت مناسب ہے۔

اشعث وغیرہ دوسرا عراق نے اپنی طرف سے ابو موسیٰ اشعری امیر کوفہ کو بیخ منتخب کیا۔ حضرت علی کو معلوم تھا کہ وہ ان کے موافق نہیں ہیں وہ عبد اللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہتے تھے اس لئے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ تم لوگوں نے پہلے میری خلاف ورزی کی اور جنگ کو بند کر دیا۔ مگر اس میں مخالفت نہ کرو۔ لیکن عراقیوں نے عبد اللہ بن عباس کو پسند نہ کیا اور کہا کہ وہ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔

اہل شام کی جانب سے عمرو بن عاص مقرر ہوئے  
تالشی نامہ

دونوں بیخوں نے فریقین سے عہد لکھوایا کہ جو فیصلہ ہم کتاب اللہ کی رو سے کریں گے وہ اس کو مانیں گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں ہماری مدد کریں گے تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں جائیں۔ بیخوں سے یہ بیان لیا گیا کہ



نیک نیتی سے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ کو طے کریں گے اور امت میں باہمی جنگ اور تفریق نہ پیدا ہونے دیں گے فیصلہ کی میعاد رمضان کے مہینہ میں رکھی گئی اور پتوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر مزید مدت کی ضرورت سمجھیں تو اور بھی تاخیر کر سکتے ہیں۔ ان کو جس شخص کی شہادت کی ضرورت ہوگی وہ ان کے طلب کرنے پر بلا دیا جائے گا اور شہاد میں قلمبند کی جائیں گی جو متفقہ فیصلہ ہوگا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہوگا۔ فیصلہ کا مقام شام اور عراق کے وسط میں رہے۔ اگر تیج یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت جمع عام نہ ہو تو صرف خاص خاص اشخاص کو اس موقع کے لئے طلب کر لیں اگر قضاء الہی سے کوئی تیج قبل از فیصلہ گذر جائے تو اس کے بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا یہ عہد نامہ ۱۳ صفر ۳۰ھ میں لکھا گیا اور فریقین کے نام ثبت کئے گئے۔

اس طرح پر اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں نوے ہزار جانناز مسلمان مقتول ہو گئے۔ یہ وہ تعداد ہے کہ عہد نبوی سے لے کر اس واقعہ تک جس قدر فتوحات ہوئی تھیں ان سب میں ملا کر بھی اتنے مسلمان کام نہ آئے تھے۔

(حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے خیالات میں بے حد تباہی تھی حضرت علیؓ ذاتی فضیلت سابقہ اسلامی و قربت رسول کی وجہ سے اپنی حق خلافت کو اس قدر مرجح سمجھتے تھے کہ ان کے خیال میں شیخین نے بھی دیدہ و دانستہ اس کو نظر انداز کیا تھا اور معاویہ کو تو وہ طللیق بن طللیق سمجھتے تھے جنہوں نے ہمیشہ رسول اللہ کی دشمنی کی اور فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے مطالبہ کی وجہ سے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

ادھر معاویہ اپنے آپ کو مکہ کے نسب سے بڑے رئیس ابو سفیان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قریش کا ایک بڑا رکن سمجھتے تھے۔ خلفاء سابقین کے عہد میں وہ معتد علیہ تھے اور عزت و شوکت کے ساتھ اس صوبہ کے والی تھے جو رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے اسلامی

ممالک میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علی کی خلافت میرے لئے موجب اہانت ہوگی۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ میری معزولی تھی اس لئے مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ان کو ایسے چند شبہات بھی نظر آئے جن سے اس مخالفت کی گنجائش مل گئی۔ انہوں نے کہا:-

۱) حضرت علی ان باغیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا۔

۲) اکثر صحابہ کبار نے جو مدینہ میں موجود تھے ان کی بیعت سے انکار کیا۔

۳) وہ امراء اور رؤساء امت و اعیان قریش جو مدینہ سے باہر تھے اس بیعت میں نہیں شریک ہوئے نہ ان سے مشورہ لیا گیا۔

۴) انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کو جو باغی ہیں اور جن سے قصاص لینا فرض ہے اپنے لشکر میں پناہ دی ہے اور عہدے دے رکھے ہیں۔

ایسے دو شخص جو ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں کیونکر باہم صلح کر سکتے تھے۔

علاوہ بریں دونوں طرف سے جو سفیر آئے گئے انہوں نے بھی عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا۔ کسی نے کوئی ایسا طریقہ نہیں سوچا جس پر دونوں فریق متفق ہو جاتے اور امت کے سر سے یہ وبال ٹل جاتا۔

ان سب پر مزید یہ کہ عراقی فوج میں سبائی جماعت موجود تھی جو کسی طرح پر باہمی مصالحت کو پسند نہیں کرتی تھی بلکہ ایسی صورتیں نکالتی تھی جن سے جنگ کی آگ مشتعل ہو جائے۔

خوارج

عہد نامہ ثالثی کے لکھے جانے کے بعد امیر معاویہ اپنی فوج لے کر دمشق کو روانہ ہو گئے اور عراقیوں میں جس وقت اشعث بن قیس اس عہد نامے کو سنانے بکھلے نکلے تو بنی تمیم کے ایک سردار عروہ بن ادیہ نے کہا کہ قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا۔ ہم سولائے

اللہ کے کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔ اور پھر تلوار کھینچ کر اشعث پر وار کیا۔ ان کے گھوڑے پر ضرب آئی دیکھ کر ان کے اہل قبیلہ بھی آکر جمع ہو گئے۔ قریب تھا کہ باہم کشت و خون ہو جائے لیکن لوگوں نے بیچ میں بڑھ کر روک لیا۔ فوج وہاں سے روانہ ہوئی تو راستہ میں بھی ان میں جھگڑے جاری رہے۔

اہل عراق جس وقت کوفہ سے نکلے تھے سب متحد اور متفق تھے لیکن جب صفین سے واپس ہوئے تو باہم دشمن اور مخالف تھے۔ ہر ہر منزل میں ان میں لڑائی اور بدزبانی ہوتی تھی اور کبھی کوڑوں سے مار پیٹ بھی ہو جاتی تھی۔

خارج کہتے تھے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مدافعت کی بیسیوہ جواب دیتے تھے کہ تم نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب کوفہ کے قریب آئے تو بارہ ہزار آدمی فوج سے الگ ہو کر مقام حرورہ میں جا کر خیمہ زن ہوئے اور اعلان کیا کہ ہمارا امیر شیبث بن ربعی ہے۔

یہ وہی شخص ہے جو حضرت علی کی طرف سے سفیر بن کر امیر معاویہ کے پاس گیا تھا اور ان سے سختی کے ساتھ پیش آیا تھا کہ کیوں حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عباس ان کی فہمائش کے لئے بھیجے گئے ان لوگوں نے ان کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ پھر حضرت علی بھی پہنچ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری جماعت سے خارج ہو گئے۔

خارج۔ اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم میں انسانوں کو ثالث بنایا۔  
حضرت علی۔ کیا میں نے تم کو پہلے اس ثالثی کے قبول کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟  
تم لوگوں نے تو خود اصرار کر کے مجھے اس پر مجبور کیا۔

علاوہ بریں بچوں سے یہ شرط لگنی ہے کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ لہذا قرآن کے حکم پر چلنے میں کیا قباحت ہے؟

خارج مسلمانوں کے خون کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانا کہاں سے رول ہے؟  
حضرت علیؑ ہم نے اشخاص کو کب حکم مانا ہے۔ ہمارا فیصلہ تو قرآن پر ہے۔  
اشخاص اس کی رو سے حکم دیں گے۔

خارج۔ پھر اس فیصلہ کے لئے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت علیؑ۔ تاکہ اتنے عرصہ میں امت اس سے واقف ہو جائے لوگوں کو فوراً فکر کا موقع مل سکے اور صحیح راستہ پر آجائیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوا ہر وہ بے جا نہیں ہوا ہے تم لوگ ہمارے ساتھ شہر میں چلو اپنے اپنے گھروں میں قیام کرو۔

خارج۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا ثالثی قبول کرنا کفر تھا ہم اس کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی اگر تائب ہو جائیں تو ہم ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت علیؑ۔ صرف چھ مہینہ کی بات ہے شہر میں چلو اس درمیان میں خارج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور سواریاں فریبہ اور توانا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد دشمن کے مقابلے کے لئے نکلیں گے۔

الغرض بڑی مشکلوں سے ان کو کوفہ میں لائے۔

اس فرقہ کے نظریہ کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علیؑ خلیفہ برحق تھے ان کی بیعت واجب تھی جن لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ یا عی ہیں کیونکہ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں جن کے لئے قرآن میں صریح حکم قتل کا موجود ہے اس لئے معاویہ کی جماعت انہوں سے قرآن واجب القتل ہے لہذا ان کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی اور چونکہ حضرت علیؑ اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ انہوں نے حکم قرآنی میں اشخاص کو ثالث بنایا اس لئے ان کی خلافت ناجائز ہے اور ان کی جماعت اور معاویہ کی جماعت دونوں یکساں ہیں۔

خارج کی اس دلیل میں دراصل منطقی غلطی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں ان کے لئے قرآن میں حد مقرر ہے بے شک صحیح ہے لیکن یہ امر کہ اہل شام اسی جرم کے مرتکب ہیں ثبوت کا محتاج ہے کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ خود حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق تھا کہ آیا وہ منعقد بھی ہوئی ہے یا نہیں اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اس کے فیصلہ کے لئے کسی کو ثالث مقرر کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ

اشخاص کو اللہ کے حکم میں فیصلہ کا اختیار دیا گیا۔ کیونکہ ان کے ثالث ماننے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ متعین کر دیں کہ اللہ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں۔

باقی رہا خوارج کا یہ اعتراض کہ ثالث مان لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو خود اپنی امامت میں شک تھا اور ایسے مشکوک امر میں ناحق انھوں نے مسلمانوں کی خونریزی کرائی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ صاحب حق کا جب فوق ثانی انکار کرے تو اس کے لئے اپنے حق کے اثبات کے واسطے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی عدالت کی طرف رجوع کرے۔

بہر صورت اس جدید جماعت یعنی خارجیوں نے بے بنیاد مقدمات ترتیب دیے مگر بالکل غلط نتیجہ نکالا اور امت کی مصیبت میں اور اذیت ڈال دیا۔ اب مسلمانوں میں بجائے دو کفرین سیاسی فرقے ہو گئے۔ اور حضرت علیؑ کو شامیوں کی بیرونی جماعت کے ساتھ خود اپنی جماعت کے ان اندرونی مخالفوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ ان کے وہی شیعہ تھے جو کل تک ان کو افضل المسلمین اور امیر المؤمنین تسلیم کرتے تھے اور آج ان کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

### فیصلہ ثالثی

جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علیؑ نے ابو موسیٰ اشعری اور شریح بن ہانی کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ مقام فیصلہ کی طرف روانہ کیا عبداللہ بن عباس اس قافلہ کے پیش نماز تھے۔

شام سے امیر معاویہ نے بھی عمرو بن عاص کو اسی قدر آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ دونوں جماعتیں دومتہ الجندل کے قریب مقام اذرح میں مجتمع ہوئیں۔

امیر معاویہ کی طرف سے قاصد خطوط لے کر سلسلہ وار عمرو بن عاص کے پاس آیا کرتے تھے جن کے مضمون سے ان کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ پوچھتا تھا کہ کیا امر اسلہ آیا ہے لیکن ادھر سے حضرت علیؑ کا جب کوئی خط عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچتا تو اہل عراق مجتمع ہو کر ان سے سوال کرتے کہ امیر المؤمنین نے کیا لکھا ہے اور پھر اس کو مشہور کرتے اگر وہ نہ بتاتے

تو طرح طرح کے قیاسات لڑاتے اور ان پر بحثیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس ان کے اس شور و شغب سے تنگ تھے۔

اس موقع پر رؤسار امت میں سے حضرت عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر عبدالرحمن بن عمارت محزومی اور مغیرہ بن شعبہ موجود تھے۔

دونوں ثالثوں نے باہم مل کر مسد زبیر بحث پر گفتگو کی جو کچھ تاریخی روایتیں اس گفتگو کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن عاص کیا آپ کو اس امر کا یقین ہے کہ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوئے۔  
ابوموسیٰ بے شک۔

عمرو بن عاص۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ان کے قصاص کے ولی اور وارث معاویہ ہیں۔  
ابوموسیٰ ہاں۔

عمرو بن عاص۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ  
سُلْطَانًا

جو شخص ظلم سے مارا جائے اس کے ولی کو ہم نے صاحب اختیار کیا ہے۔

پھر آپ کو امیر معاویہ کے خلیفہ بنانے سے کیا شے مانع ہے۔ خاندان قریش میں ان کو جو شرف حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی ابتدائی کوششوں میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خلیفہ مظلوم کے ولی ہیں۔ نیز سیاست میں ماہر اور حسن تدبیر میں مشہور آفاق۔ ان سب پر مزید یہ کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی اور کاتب وحی ہیں۔  
یہ یقین رکھئے کہ اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے کہ کوئی دوسرا خلیفہ نہیں کر سکتا۔

ابوموسیٰ عمرو! اللہ سے ڈرو۔ خلافت کے لئے دین اور تقویٰ کی فضیلت درکار ہے۔ محض

خاندانی شرافت سے کام نہیں چلتا۔ علاوہ بریں اگر اسی پر نظر رکھی جائے تو خود حضرت علی قریش میں اس لحاظ سے سب افضل ہیں۔ ان کے سوا دوسرا کون خلیفہ ہو سکتا ہے۔ امیر معاویہ خلیفہ متقول کے خون کے دلی ضرور ہیں لیکن امت کی ولایت کا استحقاق ان کو کہاں سے حاصل ہوا بھی تاکہ مہاجرین اولین موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے معاویہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

تم نے ان کے سلوک کی طرف جو اشارہ کیا تو اس کے جواب میں قسم کھاتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی اگر نکل جائے تب بھی میں ان کو خلیفہ نہیں بناؤں گا اور رشوت نہیں لوں گا۔ ہاں اگر تمہاری رائے ہو تو لاؤ حضرت عمر بن خطاب کے نام کو زندہ کریں اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنا لیں۔

عمر بن عاص۔ اگر آپ خلافت کے لئے عبداللہ بن عمر کو پسند کرتے ہیں تو میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں منتخب نہیں فرماتے۔ اس کی فضیلت اور صلاحیت سے تو تمام امت واقف ہے۔ ابو موسیٰ نے بے شک تمہارا بیٹا بھی اس کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن تم نے اس کو اس لڑائی میں شریک کر کے فتنہ میں آلودہ کر دیا۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں بیچ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے لیکن کون خلیفہ ہو اس میں اختلاف تھا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس امر کو امت پر چھوڑ دیا جائے وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔ اب بجز اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا کہ مجمع میں اس فیصلہ کا اعلان کر دیا جائے چنانچہ سب لوگ مجتمع ہوئے اور یہ دونوں ثالث وہاں گئے۔

عمر بن عاص ابو موسیٰ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے۔ اعلان کے لئے بھی حسب معمول انھی کو کھڑا کیا انھوں نے کہا۔

جہاں تک ہم نے غور کیا امت کی فلاح کے لحاظ سے ہم کو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور اسی پر میری اور عمر بن عاص کی رائے متفق ہوئی کہ حضرت علی اور معاویہ دونوں کو

چھوڑ کر مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کریں اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان دونوں کو معزول کیا اور امت کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اپنا امیر بنائے۔ ان کے بعد عمر و بن عاص کھڑے ہوئے۔ اور کہا کہ

جو کچھ فیصلہ ہوا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت علی کی معزولی سے میں بھی متفق ہوں لیکن معاویہ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ مقتول کے ولی اور ان کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔

یہ سن کر ابو موسیٰ نے ان کی مخالفت کی اور دونوں میں باہم سخت کلامی ہوئی عام مورخوں کا بیان یہی ہے۔

(لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے زبانی نہیں اعلان کیا تھا بلکہ فیصلہ لکھا تھا جو مجمع میں سنایا گیا۔ اس میں حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کی معزولی تھی اور بچوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں واقع ہوا تھا۔

یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ تالیفی نامہ جب لکھا گیا تھا اور شہادتیں قلمبند کی گئی تھیں تو فیصلہ زبانی ہونے کے کیا معنی۔

### نتیجہ فیصلہ

جس وقت اس تالیفی نامہ لکھا گیا تھا اسی وقت ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کیونکہ شامیوں کا قرآن اٹھانا مصالحت کی غرض سے نہیں بلکہ بطور ایک جنگی تدبیر کے تھا اور نہ واقعی اگر ان کو فیصلہ منظور ہوتا تو قبل از جنگ جب سیر و دونوں طرف سے آتے جاتے تھے اور صلح کی گفتگو جاری تھی وہ کتاب اللہ کو پیش کرتے۔

دوسرا فرق بھی اس پر خوشی سے راضی نہیں ہوا تھا بلکہ مجبوراً اس کو تسلیم کرنا پڑا تھا اس لئے بالطبع تالیفی نامہ فیصلہ فریقین کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ نے اس فیصلہ کو قرآن کے خلاف قرار دے کر نہیں تسلیم کیا لیکن امیر معاویہ پر خوشی



سے اس پر راضی ہو گئے کیونکہ کم سے کم اس کی رو سے حضرت علی تو خلافت سے معزول کئے گئے تھے۔ اور امت کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کر لے۔ اور وہ جانتے تھے کہ امت کا ایک بڑا حصہ میرے زیر اثر ہے اس لئے ان کو اپنے خلیفہ ہونے کی امید قوی ہو گئی۔

حضرت علی نے چاہا کہ اہل شام پر لشکر کشی کریں۔ لیکن خوارج کا معاملہ بیچ میں سدرا ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب انہوں نے شریح بن ہانی کو فیصلہ ثالثی کے موقع پر ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا تو خارجیوں نے مخالفت کی۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ثالثی کے معاملہ کو جو ہم نے کفر سمجھا ہے تو حضرت علی بھی اس میں ہمارے ہم خیال ہیں لیکن اس جماعت کے بیٹھے سے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مخالف ہیں اسی لئے شورش پر آمادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن وہب کے مکان میں مجتمع ہو کر اس کو اپنا امیر بنایا اور یہ طے کیا کہ ہم اس شہر کو جہاں کے لوگ ظالم ہیں چھوڑ کر باہر نکل چلیں۔ چنانچہ متفرق طور پر نکلے اور جس نہروان پر سب کے سب مجتمع ہو گئے وہاں سے بصرہ وغیرہ دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی اپنے خروج کی اطلاع دی۔

کوفہ کے بقیہ لوگوں نے حضرت علی کے پاس آ کر کہا کہ ہم آپ کے مطیع ہیں جو حکم دیں گے اسی کے مطابق عمل کریں گے حضرت علی نے ان کے سامنے تقریر فرمائی اور کہا کہ بچوں نے فیصلہ قرآن کے خلاف کیا۔ اب تم لوگ شام کی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس کے بعد خوارج کو لکھا کہ تم بھی ہماری جماعت میں آ جاؤ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لڑائی آپ اپنی ذات کے لئے لڑنا چاہتے ہیں نہ کہ حق کے لئے۔ اس لئے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے اس جواب کے ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی چاہا کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ کر شام کی طرف چلیں کوفہ سے باہر نکل کر نجد میں خیمہ زن ہوئے۔ والی بصرہ عبداللہ بن عباس اور امیر مدائن کو لکھا کہ وہ فوجیں بھیجیں چنانچہ مختلف مقامات سے تقریباً ستر ہزار لشکر جمع ہوا۔

اس کے بعد خبر ملی کہ خوارج لوگوں کو اس فوج میں جانے سے روکتے ہیں۔ اور کئی آدمیوں کو انہوں نے قتل بھی کر ڈالا حضرت علی نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا اس کو بھی

مارڈالا۔ امراء فوج نے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر ہم شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو یہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کا بدلہ کر دیا جائے۔ حضرت علی نے ان کی رائے کو مناسب سمجھ کر اسی طرف رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ان سے کہا کہ تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ دوسروں سے ہم کو سروکار نہیں۔ اس پر خارجیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے ان کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے خون کو حلال سمجھتے ہیں۔ حضرت علی نے ہر چند ان کو نصیحت کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر حضرت ابوالیوب انصاری کو حکم دیا کہ امان کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر اعلان کر دیا کہ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا یا کوفہ وغیرہ کسی شہر کی طرف چلا جائے گا اس کو امان ہے۔ خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جھنڈے کے نیچے آگئے اور کچھ لوگ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ ابن وہب کے ساتھ صرف ۲۸۰۰ آدمی رہ گئے۔ ان کے ساتھ جنگ ہوئی ان میں سے اکثر مارے گئے چار سو زخمی ہوئے جو میدان میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو حضرت علی نے اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا کہ کوفہ میں لے جا کر علاج کریں۔

اس فتح کے بعد شام کی روانگی کا حکم دیا۔ لیکن لوگوں نے کہا کہ ہمارے تیر اس لڑائی میں ختم ہو چکے تلواریں کند ہو گئیں اور نیزے خراب ہو گئے۔ چند روز قیام کیجئے تاکہ ہم اپنے اسلحہ ٹھیک کرالیں ممکن ہے کہ اس درمیان میں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جائیں جن سے ہماری تعداد اور قوت میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت علی واپس آکر مقام نخیلہ میں کچھ دنوں کے لئے ٹھہر گئے اور ساز و سامان کی تیاری کا حکم دیا۔

اہل عراق چھپ چھپ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے اور بجز رؤساء امراء فوج کے بہت کم لوگ وہاں رہ گئے یہ صورت دیکھ کر حضرت علی بھی کوفہ میں آگئے۔ امراء اور سرداران قبائل کو جمع کر کے شام کی لشکر کشی کے متعلق مشورہ لیا۔ ان میں سے بعضوں نے مخالفت کی۔

بعضوں نے بیماری کا عذر کیا اور کم لوگ تھے جنہوں نے خوشی سے رضا مندی ظاہر کی۔

حضرت علیؓ روزانہ پر جوش خطبے سنا سنا کر اہل کوفہ کو ابھارتے تھے لیکن کچھ نتیجہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ زبان سے چلنے کا اقرار کر لیتے اور وقت پر گھروں میں پٹیجھ جاتے تھے آخرب دیکھا کہ یہ لوگ تیار نہیں ہوتے تو مایوس ہو کر شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اہل شام کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہاں کی تمام فوج تابع فرمان اور یک دل اور یک زبان تھی۔

امیر معاویہ کی نظر میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ مصر کا تھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد محمد بن حذیفہ نے وہاں اپنا تسلط جما لیا تھا۔ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آغاز ۳۳ھ میں قیس بن سعد کو جو ان کے خاص طرفداروں میں تھے مصر کا والی مقرر کیا۔ قیس ایک بیدار مغز اور عقلمند امیر تھے۔ انہوں نے اہل مصر کو اپنے قابو میں کر لیا۔ البتہ ایک جماعت جس کے سرور اسلمہ بن مخلد انصاری تھے اور جو حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی خلافت کو ناجائز سمجھتی تھی قیس کے خلاف ہو کر مقام خربت امیرا کر مجتمع ہو گئی۔ قیس نے کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا اور نہ تمہارے وظیفے بند کروں گا بشرطیکہ امن کے ساتھ رہو۔

امیر معاویہ مصر میں قیس کی موجودگی کو اپنے حق میں مضر سمجھتے تھے۔ ان کو یہ خطر تھا کہ اگر ایک طرف سے عراق کی فوجیں آگئیں اور دوسری طرف سے مصر کی تو ہم بیچ میں جاؤ گے اور دونوں سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے قیس کو اپنا طرفدار بنانے کے لئے ایک خط لکھا۔ ادھ سے حسب نشا جواب نہ آیا۔ پھر دوسرا خط بھیجا۔ قیس نے صاف لکھ دیا کہ مجھ سے کسی قسم کی توقع نہ رکھو۔

امیر معاویہ نے باوجود اس جواب کے پھر بھی اہل شام میں یہ مشہور کیا کہ قیس ہمارے حامی ہیں انہوں نے خطوط میں ہماری خیر خواہی کا اظہار کیا ہے تم لوگ ان کی طرف سے مطمئن رہو۔ دیکھو جو ہمارے حامی خربت میں مقیم ہیں ان کے ساتھ انہوں نے کیا اچھا برتاؤ کیا ہے

ان پر کسی قسم کی سختی کی ہے نہ ان کے وظیفوں کو بند کیا ہے۔

جب اس خبر کا چرچا پھیلا تو شام میں حضرت علی کے جو جاسوس تھے انھوں نے ان کو اس سے مطلع کیا حضرت علی کے دل میں قیس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی حکم لکھا کہ اہل خزبتا سے جنگ کرو۔ قیس نے کہا کہ ان کی تعداد دس ہزار ہے۔ اور ان میں زیادہ تر اعیان و شرفاء مصر میں ہیں جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے یہی مناسب ہے اس میں کوئی ضرر نہیں اور جنگ کی صورت میں ایک فتنہ عام برپا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ایک تو خود وہ لوگ اس نیتان کے شیر ہیں۔ دوسرے معاویہ ان کی مدد کریں گے۔

حضرت علی نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا اور لڑنے کی تاکید لکھی۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ اگر میرے اوپر کسی قسم کی بدگمانی ہے تو میں امارت چھوڑتا ہوں کسی دوسرے کو یہاں بھیج دیجئے چنانچہ محمد بن ابوبکر وہاں کے امیر بنائے گئے انھوں نے اہل خزبتا کو لکھا کہ تم لوگ بیعت کر لو ورنہ ملک مصر سے نکل جاؤ وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اسی دوران میں معرکہ صفین شروع ہو گیا۔ اس لئے دونوں فریق نتیجہ کے انتظار میں خاموش رہے۔ جب اہل خزبتا کو صفین سے حضرت علی کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو وہ محمد بن ابوبکر کے مقابلہ میں آگئے اور مصری فوجوں کو شکست پر شکست دینی شروع کی۔ حضرت علی نے یہ حال سن کر اشتراک جو جزیرہ کے والی تھے مصر کی ولایت کا فرمان بھیجا۔ وہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں مقام قلزم میں پہنچ کر انتقال کر گئے اور مصر کی حکومت محمد بن ابوبکر ہی کے ہاتھ میں رہی۔

فیصلہ ثالثی کے بعد امیر معاویہ نے اہل شام سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی۔ اس ان کی عظمت اور قوت بڑھ گئی۔ انھوں نے اہل خزبتا کے سرداروں مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج وغیرہ کو لکھا کہ تم لوگ دل میں ہر اس نہ لانا میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔ ان لوگوں نے لکھا کہ ہم مقابلہ میں جھے ہوئے ہیں۔ یہاں کا والی ہم سے خود خوف زدہ ہے لیکن مدد جلد بھیجئے۔ امیر معاویہ نے عمرو بن عاص فاتح مصر کو چھ ہزار فوج دے کر روانہ کیا وہاں پہنچ کر

انہوں نے محمد بن ابوبکر کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھ سے تم کو کوئی صدمہ پہنچے لیکن وہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر کسی کے گھر میں چھپ رہے معاویہ بن خدیج نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا بعض کہتے ہیں کہ آگ میں جلا دیا۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کو امداد کے لئے لکھا تھا۔ وہ بڑی کوشش سے کوفہ سے دو ہزار آدمی مصر جانے کے لئے آمادہ کر سکے جس وقت روانہ کیا اسی وقت محمد کے قتل کی خبر آگئی اس لئے راستہ سے واپس بلا لیا۔ حضرت علی کو محمد کے قتل ہو جانے کا بہت صدمہ ہوا۔

مصر کے قبضہ نے امیر معاویہ کے حوصلہ کو بہت بڑھا دیا۔ اب انہوں نے ہر طرف اسلامی صوبوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کرنی شروع کیں۔

نعمان بن بشیر کو عین التمر کی جانب بھیجا۔ وہاں کے والی مالک بن کعب نے حضرت علی سے امداد طلب کی۔ انہوں نے اہل کوفہ کو حکم دیا۔ لیکن کوئی نہیں گیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج کے ساتھ انبار اور مدائن کی طرف روانہ کیا۔ وہ ان مقامات سے سارا مال و خراج جمع کر کے لے گئے۔ حضرت علی اطلاع پا کر تعاقب کے لئے نکلے لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔

عبد اللہ بن مسعود کو تیار کی طرف بھیجا اور وہاں سے مکہ اور مدینہ جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی نے ان کے مقابلہ کے لئے مسیب کو روانہ کیا۔ تیار میں دونوں فریق میں جنگ ہوئی۔ آخر میں مسیب نے ان کو بھاگنے کا موقع دے دیا اور ابن مسعود فوجیں نکال لے گئے۔

فحاک بن قیس کو بصرہ اور بصرہ کو تیار اور اہل مدینہ سے امیر معاویہ کی خلافت کی بیعت لی۔ پھر بصرہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد یمن کی طرف بڑھے۔ عبید اللہ بن عباس والی یمن حضرت علی کے پاس کوفہ چلے آئے۔ بصرہ پر قبضہ کیا اور اہل یمن سے بھی بیعت لے لی۔

بسر ایک خونریز آدمی تھا۔ اس نے عبید اللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو چھین

وہ صنعا میں چھوڑ گئے تھے قتل کر ڈالا۔

اس وقت اسلامی صوبوں کی اجمالی حالت یہی تھی۔ امت کا شیرازہ متفرق اور نظام ابتر تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن عباس والی بصرہ بھی حضرت علی کی حمایت چھوڑ کر مکہ میں چلے آئے۔ کیونکہ ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ رقم لے لی ہے۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ فیصلہ کے بعد سے حضرت علی دعائے نماز میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے امیر معاویہ نے جب سنا تو وہ بھی حضرت علی اور ان کے ساتھیوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجنے لگے یہاں تک کہ بنی امیہ میں اس کا دستور ہو گیا اور وہ جموعہ کے خطبوں میں بھی لعنت بھیجنے لگے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم بد کو اپنے عہد میں مٹایا۔

ابن بلجم

عالم اسلامی کا یہ اضطراب دیکھ کر خوارج میں سے تین شخص عبدالرحمن بن بلجم مرادی برک بن عبداللہ اور عمر بن بکر تمیمی باہم مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مصیبت سے امت کی رہائی کی کیا صورت ہے۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ حضرت علی امیر معاویہ اور عمر بن عباس تینوں آدمی قتل کر دئے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ لہذا ہم میں سے ہر شخص ان میں سے ایک ایک کے قتل کا ذمہ لے۔ ابن بلجم نے حضرت علی کے قتل کا ذمہ لیا۔ عمر بن بکر نے عمر بن عاص کا اور برک نے امیر معاویہ کا۔ اور تینوں نے قسم کھائی کہ یا تو ہم ماریں گے یا مر جائیں گے۔ ۵ ارمضان ۳۵ھ تاریخ مقرر ہوئی کہ اس روز حملہ کریں۔ ابن بلجم نے اپنے اس ارادہ کی اطلاع اپنے بھائیوں میں سے بھی کسی کو نہیں دی اور کوفہ میں آ گیا۔ یہاں تیم رباب کے قبیلہ کے کچھ لوگ تھے جن کے دس آدمی نہروان کی لڑائی میں حضرت علی کی فوج نے قتل کئے تھے۔ ان مقتولین میں شجنہ اور اس کا بیٹا بھی تھا۔ شجنہ کی بیٹی قطام کوفہ میں تھی۔ ابن بلجم نے جو اسی قبیلہ میں بٹھرا تھا جب اس کو دیکھا تو اس کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے فریفتہ ہو گیا اور نکاح کا پیغام بھیجا۔ قطام نے کہا

کہ اس شہزاد پر کہ پہلے مہراوا کر دو۔ اس نے کہا کس قدر کہا میں ہزار درہم۔ ایک لونڈی۔ ایک غلام اور حضرت علی کا سر۔ ابن بلجم نے منظور کیا اور کہا کہ میں اس شہر میں خاص اسی کام کے لئے آیا ہوں کہ حضرت علی کو قتل کر دوں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوں تو کسی سامنے اس لفظ کو زبان پر نہ لانا۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ تم اچانک پہنچ کر ان کو ہار ڈالو اگر بچ گئے تو ہم دونوں آں رام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش تمہارے لئے دنیا کے عیش سے بدرجہا بہتر ہو گا۔

### قتل

ابن بلجم نے اپنے دوستوں میں سے ایک معتمد کو جو اس کو کام میں مدد دے سکے اپنا ہمراز بنایا۔ قحطام نے بھی اپنے قبیلہ کے ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا جب قرار داد ۱۵ رمضان کو مسجد میں جہاں حضرت علی نماز پڑھایا کرتے تھے جا کر گھات میں بیٹھ گئے۔ جب فجر کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے ان کے سر پر تلوار ساری۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر دو۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔ زخم زیادہ کاری پڑا تھا تیسرے دن یوم شنبہ، ۱۷ رمضان ۳۴ھ کو رحلت فرما گئے۔ آخری وقت میں لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم آپ کے بعد امام حسن کو خلیفہ بنائیں۔ فرمایا کہ نہ میں تم کو حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔

وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا اور وصیت کی کہ اگر میں گذر جاؤں تو صرف قاتل سے قصاص لیا جائے۔ دوسرے لوگ نہ قتل کئے جائیں۔ اور قاتل کے بھی اعضاء نہ کاٹے جائیں کیونکہ اسلام میں دیوانے کتے کا بھی مسئلہ کرنا روا نہیں ہے۔

حضرت علی کی مدت خلافت چار سال اور چند روز کم نو مہینے تھی۔

برک بن عبداللہ نے اسی تاریخ کو دمشق میں امیر معاویہ پر جب وہ مسجد کے دروازہ سے نکلنے لگے وار کیا لیکن ان کو خفیف زخم آیا جو چند روز علاج کرنے سے اچھا ہو گیا اس کے بعد سے انہوں نے مسجد میں مقصورہ بنو الیا اور ہر وقت اپنے ساتھ محافظ رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ جس وقت

نماز پڑھتے تھے۔ اس وقت بھی دونوں طرف دوپا ہی مسلح کھڑے رہتے تھے۔  
 عمرو بن عاص اس روز بیمار تھے۔ اس لئے اپنی بجائے خارجہ بن حناذہ کو نماز پڑھانے  
 کے لئے بھیجا عمرو بن بکر جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا سمجھا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں اور انھیں کو قتل کر ڈالا۔  
 بیت علیؑ

حضرت علی نے نو نکاح کئے۔

(۱) فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سب سے پہلی بیوی تھیں جب تک  
 یہ زندہ رہیں دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان کے بطن سے دو بیٹے امام حسنؑ اور حسینؑ  
 اور دو بیٹیاں زینب کبریٰ و ام کلثوم کبریٰ تھیں۔

(۲) ام البنین بنت حزام ان سے عباس۔ جعفر۔ عبد اللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود کلبیہ۔ ان سے دو بیٹے عبد اللہ اور ابو بکر ہوئے۔

(۴) اسماء بنت عمیس۔ محمد اصغر کی والدہ ہیں۔

(۵) صہباء بنت ربیعہ۔ بنی تغلب کے اسیران جنگ میں آئی تھیں۔ ان سے

عمر اور رقیہ دو بچے ہوئے۔

(۶) امامہ بنت ابی العاص یہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیٹی تھیں ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

(۷) خولہ بنت جعفر الحنفیہ۔ ان سے محمد پیدا ہوئے جو اپنی ناہنالی نسبت سے محمد

بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۸) سعیدہ بنت عروہ بن مسعود۔ ان سے دو بیٹیاں ام الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

(۹) حبیاء بنت امراء القیس۔

ان کے علاوہ مختلف امہات دلد سے کئی بیٹیاں تھیں۔

ام ہانی بیمنونہ۔ زینب صغریٰ۔ رملہ صغریٰ۔ ام کلثوم صغریٰ۔ فاطمہ۔ امامہ۔ خدیجہ۔ ام الکرم



ام سلمہ۔ ام جعفر۔ جمانہ۔ اور نفیہ۔

تمام اولاد میں سے صرف پانچ کی نسل چلی۔

حسن حسین۔ محمد بن حنفیہ۔ عباس اور عمر رضی اللہ عنہم۔

مناقب علیؑ

حضرت علی کریم اللہ وجہ کے صفات عالیہ میں نمایاں تر شجاعت ہے۔ بڑے بڑے سخت  
معر کے پیش آئے لیکن کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی بسک پہلے ان کی بہادری  
کا اظہار اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان کو اپنے بستر پر  
سلا یا تھا مکان کے باہر دشمن شمشیر بکف قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے لیکن بے خوف و خطر سوہے  
اس کے بعد غزوہ بدر اور خیبر کے کارناموں نے ان کو بہت مشہور کر دیا۔ بڑے بڑے جنگ آور  
ان کے سامنے آتے ہوئے لرزتے تھے لڑائیوں میں کبھی ان کو پروا نہیں ہوتی تھی کہ میں  
موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آرہی ہے۔

عہد رسالت کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک ان کی تلوار میان میں رہی لیکن جب پھر  
اپنے نسانہ خلافت میں اس کو باہر نکالا تو اس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی۔

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ فطرتی طور پر ان میں ہاشمی فہم و ذہانت تھی ہمیشہ  
آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے۔ اور قرآنی تفقہ سیکھا۔ نیز دربار رسالت کے کاتب خصوصی تھے  
ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ خلفاء راشدین  
خاص کر عمرؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر  
انہیں کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فساحت و بلاغت میں بھی بے مثل تھے۔ ان کے خطبات اور مکاتیب کا جو مجموعہ  
شریف مرتضیٰ نے بیچ البلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے اس کے دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ دراصل  
وہ حکیم العرب اور آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ خوش بیان تھے۔

ان کے بعض بعض خطبے اور خطوط تو اس قدر لطیف و پر معنی و دل نشین و حکمت آمیز ہیں کہ ان کو انسانی فضل و کمال و گویائی و دانائی کی آخری حد کہہ سکتے ہیں۔  
اسی طرح زہد ترک دنیا ایشار و رضا جوئی حق عبادت و ریاضت کمال علم و حکمت جس بات پر ہم نظر ڈالتے ہیں وہ صحابہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

### اسباب مخالفت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات تھی کہ حضرت ابوبکر اور عمر جو خاندان رسالت سے کوئی قریبی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی تو امت نے کامل مدافہاری کے ساتھ اطاعت کی اور متفق و متحد ہو کر ان کے اشاروں پر چلتی رہی لیکن حضرت علی کے عہد میں جو آنحضرت کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور خود بھی صفات عالیہ میں ممتاز تھے مخالفت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس سوال کا جواب ان کے عہد کے حالات پڑھنے سے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں مل سکتا ہے۔ لیکن اجمالی طور پر مخالفت کے اسباب یہاں بھی بیان کر دیتے ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ اپنی خصوصیات اور قرابت رسول کی وجہ سے خلافت کو حاضر اپنا حق سمجھتے تھے اور اس امر کو بار بار اپنی تقریروں میں ظاہر بھی کیا کرتے تھے اور انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جو شخص اپنے تفوق کا اظہار کرے اس کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا۔ لوگ تو بالطبع اس کی طرف جھکتے ہیں جو حضرت ابوبکر کی طرح یہ کہے کہ :-

میں تمہارا امیر بنا یا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔

حضرت علی جو رائے کسی معاملہ میں رکھتے تھے اسی کو ٹھیک سمجھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے لوگوں کی مخالفت کی ان کو پرواہ نہیں ہوتی تھی مشورہ جو خلفاء سابقین کا دستور تھا ان کے عہد میں جاتا رہا چنانچہ ایک بار حضرت طلحہ اور زبیر نے بیعت کرنے کے بعد شکایت بھی کی کہ آپ نے ہمیں کسی کام میں شریک نہ کیا۔ نہ کسی معاملہ میں رائے لی۔ فرمایا کہ کون سا معاملہ میرے سامنے ایسا پیش ہوا کہ جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا جو تم کو بلا کر مشورہ لیتا میرے لئے

کتاب و سنت کافی ہے۔ مجھے تمھاری یا کسی دوسرے کی مدد کی احتیاج نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی طبیعتیں اس کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

(۲) جس وقت وہ خلیفہ ہوئے سب سے پہلے والیان صوبہ کی معزولی کا فرمان صادر کیا۔ خیر خواہوں نے ہر چند اس کو ملتوی کرنے کی رائے دی لیکن نہیں قبول فرمایا۔ امراء نے خیال کیا کہ ان کی خلافت ہمارے لئے مصیبت ہوگی اس لئے سب کے سب ان کے مخالف ہو گئے۔

(۳) خلفاء سابقین کے ان فیصلوں کی جو ان کی رائے میں صحیح نہ تھے از سر نو اصلاح شروع کی۔ حضرت عثمان نے جو اقطاع زمین لوگوں کو دئے تھے ان کو واپس لے لیا۔ عبید اللہ بن عمر کو جنہوں نے ہرمزان کو حضرت عمر کے قتل کی سازش کے شبہ میں مار ڈالا تھا اور جن کے مقدمہ کو حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت کو اپنے فدیے کر لیا تھا۔ قصاص میں قتل کرنا چاہا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ تھے ان کے فیصلہ کا احترام واجب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبید اللہ مدینہ سے بھاگ کر دمشق چلے گئے اور امیر معاویہ کی طرف سے صفین میں ان کے مقابل میں ایک فوج لے کر آئے۔

امیر معاویہ امر اور فوج اور دوسرا مقابل کے ساتھ مراعات و مدارات اور ان کی بہت سی باتوں سے چشم پوشی کر کے ان کو قابو میں رکھتے تھے لیکن حضرت علی ایک ایک جو کا حاسہ لیتے تھے اس سے بھی لوگوں کے دل برگشتہ ہوئے یہاں تک کہ خود ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبید اللہ بن عباس نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حالانکہ ایسے زمانہ میں متغنی چیلنور خیر خواہوں کے متعلق طرح طرح کی تہمتیں گھڑ کر مشہور کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ قیس بن سعد والی مصر اور عبید اللہ بن عباس دونوں پر اسی قسم کے لوگوں نے اتہام لگا دیا ہو۔

بے شک حضرت عمر بھی اپنے اعمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے لیکن ان کی اور حضرت علی کی حالت میں بڑا فرق تھا۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور یہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت کا زیادہ تر حصہ ان کے خلاف ہوتا تھا اس سے

کسی کو انکار نہیں کہ حضرت علیؑ است کو حق پر چلانا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے دلوں پر قابو حاصل کر لینا ضروری تھا۔

(۴) حضرت علیؑ کو جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا یعنی اہل عراق ان کو راہ راست پر چلانے کے لئے ان پر سخت قابو رکھنے کی ضرورت تھی اور حضرت علیؑ یہ کر نہیں سکتے تھے لہٰذا وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو خلیفہ بنایا ہے اور اسی وجہ سے ان کے اوپر حاوی ہو گئے تھے حضرت عثمان کو قتل کرنے کے بعد ان کے دلوں سے خلیفہ اور خلافت کی ہیبت بھی مٹ جاتی تھی چنانچہ جنگ صفین میں شامیوں کے قرآن اٹھانے کے موقع پر ہر چیز حضرت علیؑ نے اہل عراق سے لڑائی جاری رکھنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے قطعاً انکار کر دیا اور ان کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر آپ نہیں مانیں گے تو ہم آپ کے ساتھ بھی وہی کریں گے جو عثمان کے ساتھ کیا ہے۔

آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ حضرت علیؑ پکارتے تھے وہ ہمیں سنتے تھے حکم دیتے تھے وہ نہیں مانتے تھے اسی وجہ سے عبور اشام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کرنا پڑا بلکہ وہی لوگ خود ان کے اعمال پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ چنانچہ جب انہوں نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا تو عراقیوں نے کہا کہ حجاز کے والی تم بن عباس بن یمن کے علیہ اللہ بن عباس بصرہ کے عبداللہ بن عباس پھر ہم نے فضول حضرت عثمان کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت اور ایسی فوج سے کیا کام لے سکتے تھے چنانچہ ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کی کاہلی کا نتیجہ ہے کہ قوش کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب اگر چہ مویشی ہے لیکن فنون جنگ سے واقف نہیں۔ روز بروز عراقیوں کی نافرمانی بڑھتی گئی حضرت علیؑ ان سے تنگ آ کر دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھ کو ان سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان کے اوپر کسی ظالم کو مسلط کر دے۔ غالباً انہیں کی دعا کا یہ اثر پڑا کہ کوفہ ان کے بعد حواریت کا مرکز بن گیا اور ایسے ایسے سفاک اور غوریزہ حاکم وہاں آئے جنہوں نے اہل عراق کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا یہاں تک کہ وہ دیران ہو گیا۔

(۵) فرقہ خوارج جو انہی عرابتوں میں سے ایک جاہل اور باغی گروہ پیدا ہو گیا تھا اس نے

بھی حضرت علی کے راستے میں بہت زکاوٹ ڈالی اور آخر میں اسی جماعت کے ایک سیاسی دیوانہ نے انھیں قتل بھی کر ڈالا۔ الغرض حضرت علی کی شخصیت بہ لحاظ اپنی بے نظیر خوبیوں کے اگر جماعت صحابہ میں ممتاز تھی لیکن ان کا عہد خلافت اسباب مندرجہ بالا کے باعث خانہ جنگی اور شورش کا عہد ہو گیا۔ اسلامی طاقت اور شوکت کو نقصان پہنچا اور فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا۔

### امام حسنؑ

حضرت علیؑ کے بعد اہل عراق نے امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی امیر معاویہ فوجیں لے کر آگئے عراقی پہلے ہی حملہ میں شکست کھا گئے امام حسن بھی زخمی ہو گئے اس وجہ سے انھوں نے صلح کی خواہش کی اور مصالحت عام کو پیش نظر رکھ کر مزید خونریزی سے کنارہ کش ہو گئے۔ امیر معاویہ نے ایک ساوہ قرطاس دستخط کر کے ان کے پاس بھیج دیا کہ جو شرط آپ چاہیں اس پر لکھ دیں۔ انھوں نے لکھا کہ اہل عراق کو اس عام صلح سے ہٹا جائے گذشتہ لڑائیوں کے انتقام میں کسی کی گرفت نہ ہو۔ ابواز کا خراج مجھے ملتا رہے اور میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ دہم سالانہ دئے جائیں۔ عطیہ اور صلح میں بنی ہاشم دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں۔ امیر معاویہ نے ان سب باتوں کو منظور کر لیا۔

امام حسینؑ نے امام حسن سے کہا کہ اس کے مقصد کو آپ نے مٹا کر معاویہ کے منصوبے کو پورا کیا۔ انھوں نے کہا کہ خاموش رہو۔ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔  
 ربيع الاول ۳۰ھ میں یہ عہد نامہ مکمل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوتی پوری ہوئی جو امام حسن کے ہارے میں فرمائی تھی کہ  
 میرا یہ بیٹا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔

امام حسنؑ اور حسینؑ وغیرہ سب لوگوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تفرقہ کے بعد پرسیاری امت ایک علم کے نیچے آگئی اس لئے اس سال کو عام الحجاعت کہتے ہیں۔

# خلافت راشدہ

میں

## دینیت اسلام

جو زمانہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے شروع ہوا اور امیر معاویہ کی بیعت عام تک ختم ہوتا ہے اور جس کی مدت تیس سال ہے تاہم کچھ میں اس کو عہد خلافت راشدین کہتے ہیں۔ اس عہد میں جو اسلامی دینیت تھی اس پر ایک سرسری نظر ڈالیں ہم اس موقع پر مناسب کچھ چیزیں دینیت سے ہماری سزا و نظام ہے جس پر امت اپنے اجتماعی امور میں کار بند ہونی خواہ وہ امور انہوں نے اصلاحوں سے متعلق دیکھتے ہوں یا بیرونی جنگوں سے۔

### خلافت

دینیت کا سب سے پہلا مظہر خود اسلامی خلافت کا قیام تھا۔ یہی امت کا لقب خلیفہ رسول رکھا گیا لیکن حضرت عمر نے اپنے لئے بجائے خلیفہ کے اسم المؤمنین کا لفظ پسند کیا جس سے ان کے عہد کے صحیح مفہوم اور جوہریت دونوں کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کے بعد سے یہی لفظ تمام خلفاء کے لئے مستعمل رہا۔

(خلافت دراصل دنیاوی ریاست ہے جس کی بنیاد دین پر رکھی گئی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ اصول دین کے مطابق ہر قسم کی ملاح و فلاح کی طرف امت کی عملی رہنمائی کرے۔ اس لئے خلیفہ جب تک نفوس شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ دے اس کی اطاعت واجب ہے۔ خلافت راشدہ میں شریعہ کی ہر آیت قرآن اور سنت پر مبنی تھی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثالہ و نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم نکالتے تھے۔ خلیفہ امتیاء مسائل میں دو بزرگ علماء و مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں کرتا تھا۔

بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرنا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہو جاتے تو اس کی اتباع لازمی ہو جاتا۔ اسی کو اصطلاح فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفان میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دیتا تھا۔

الغرض خلیفہ کو کوئی تشریحی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہیں تھی کہ وہ جو چاہے حکم دے دے وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز رکھتا۔

× انتخاب خلیفہ کی بنیاد شوریٰ پر تھی خلیفہ جو دوسرے کو اپنا ولی عہد بنا لیتا تو وہ بھی سب مشورے کرنا لیتا تھا۔ اس لحاظ سے اسلامی خلافت دراصل ریاست جمہوری کی پہلی شکل ہے کہ عام خیال کے مطابق یہ بین اسلام یعنی خلیفہ کے قبیلہ قریش میں سے ہونا چاہئے۔ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط لی جاتی تھی کہ کتاب سنت کے مطابق عمل کرے گا۔ حضرت عثمان کی بیعت میں سنت شیخین کا لفظ اور رٹھ لیا گیا لیکن یہ ذیلی حضرت علی کی بیعت میں حذف کر دی گئی۔

خلفاء اکثر امور میں اصحاب رائے سے مشورہ لیتے تھے حضرت عمر خصوصیت کے ساتھ اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے وہ کل کاموں میں عیاض بن عباس، حضرت عثمان، علی اور عبدالرحمن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم سے رائے لیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس اگرچہ کم سن تھے لیکن چونکہ عقل و فہم میں ممتاز تھے اس لئے ان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی جب کوئی بہم معاملہ پیش آتا تو تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ جو اس کی سمجھ میں آتا تھا کہتا تھا۔

عام معاملات میں اگرچہ وہ حال شوریٰ خود ان کے منتخب کردہ ہوتے تھے، لیکن کوئی دوسرا شخص بھی اگر مناسب رائے دے سکے تو اس کے لئے رکاوٹ نہ تھی۔

(الغرض نظام خلافت میں جمہوریت اور مساوات کی پوری منت تھی اگر کچھ کمی تھی

تو صرف اس بات کی کہ یہ متعین نہ تھا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق کن لوگوں کو حاصل ہو اور حضرت علی اور امیر معاویہ میں نزاع نہ واقع ہوتی۔ کیونکہ حضرت علی مجتہد تھے کہ حق انتخاب صرف اہل مدینہ کو حاصل ہے۔ انہوں نے جب کسی کو منتخب کر لیا تو بیعت خلافت مکمل ہو گئی۔ لیکن اہل شام کا خیال تھا کہ جب تک تمام امرا اور دیار و امصار کے اہمیان و رؤسا بیعت نہ کر لیں اس وقت تک خلافت مسلم نہیں ہو سکتی۔

خلافت راشدہ میں شاہانہ تکنت اور جاہ و جلال کی کوئی شان نہ تھی۔ عام لوگوں کی طرح خلیفہ بھی سڑکوں پر پیدل پھرتا تھا۔ نہ اس کے ساتھ محافظ ہوتے تھے نہ نقیب سب لوگ اس کے آگے چلتے تھے اور سب سے وہ ہلتا تھا۔ دوسرے مسلمانوں میں اور اس میں بجز عہدہ خلافت کے اور کوئی امتیاز نہ تھا۔

### صیغہ قضا

(مقدمات کا فیصلہ قانون شرع کے مطابق خلیفہ کے فرائض میں سے تھا اس لئے خلفاء اس کام کے واسطے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے۔)

(خلیفہ اول کے عہد میں ہر شہر کا جو عامل ہوتا وہی فصل خصبات کی خدمت بھی انجام دیتا لیکن عہد فاروقی میں محکمہ قضا ایک جداگانہ مستقل صیغہ قرار دیا گیا اس کو انتظامی امور سے کوئی تعلق نہ تھا قاضیوں کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی اور تجارت وغیرہ کرنے کی اجازت تھی۔)

ان تمام قاضیوں میں سے جو اس عہد میں مقرر ہوئے تھے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مقدمہ میں روز عایت کی ہو یا انصاف کا خیال نہ رکھا ہو ان کا ٹکا ہوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ رعیت اور خلیفہ سب برابر تھے۔

یہ فقہانہ مجتہد مطلق نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا کام یہ تھا کہ قانون شرعی کو اچھی طرح سمجھ کر جن واقعات اور حوادث میں کوئی صریح حکم نہ ملے لفظاً و امثالاً پر قیاس کے ان کا فیصلہ کریں یعنی قواعد کلیہ کا استنباط کر کے ان سے جزئی احکام نکالیں۔



قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو گئی تھی جو تو ان میں شرعیہ سے استنباط احکام کا تقاضا حاصل کرتی تھی۔ قاضی مشکاں اور میں اس جماعت سے بھی مدد لیتے تھے۔ سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس زمانہ تک احادیث رسول مدون نہیں ہوئی تھیں صحابہ متفرق دیار و امصار میں تھے۔ اور ایک کے پاس جو حدیثیں تھیں وہ دوسرے کے پاس نہیں تھیں۔ اس لئے قاضیوں کے فیصلے ایک ہی قسم کے معاملات میں باہم مختلف ہوتے تھے۔ کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تھی اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا وہ استنباط اور اجتہاد سے کام لے کر دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا۔

(جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا ان فیصلوں کا اندراج کسی دفتر میں نہیں ہوتا تھا نہ فریقین کو اس کی باقاعدہ نقل دی جاتی تھی اور نہ ان کی تنفیذ و اجراء کے لئے کوئی طاقت استعمال میں لائی جاتی تھی بلکہ قاضی جو حکم دیتا تھا محکوم علیہ فوراً تعمیل کر دیتا تھا) اس زمانہ میں فریقین کی حیثیت مستفسر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی جب انکو اپنے معاملہ میں شرعی حکم قاضی کی عدالت سے معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے مطابق کار بند ہو جاتے تھے۔ (قصاص اور حد کا اجراء خود خلیفہ یا امراء صوبہ کے اختیار میں تھا۔ قضاة کو اس سے تعلق نہ تھا۔)

(یہ قضاة صرف بڑے بڑے شہروں میں تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس عہد میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے۔

کو فیہ حضرت عمر نے شرح بن حارث کنذی کو قاضی مقرر کیا تھا جو متواتر ۷۰ سال تک اپنے عہدہ پر رہے۔ ابن زبیر کی لڑائیوں کے دوران میں صرف تین سال محفل رہے تھے۔ اسلامی قضاة میں یہ نہایت نامور اور مشہور ہیں۔ مدینہ کے سب سے پہلے قاضی حضرت ابو درداد اور مصر کے قیس بن ابی العاص تھے۔)

حضرت عمر نے عبدالعزیز بن قیس کو اصول عدالت پر ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا جس کا

ترجمہ یہ ہے :-

(عدالت فرض حکم اور سنت رسول ہے۔ اجلاس میں فریقین کو اپنے سامنے مساوی رکھنا کہ جو ادنیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے ناامید اور جو اعلیٰ ہو وہ تمہاری رعایت کا امید ہو جائے ثبوت عدلی کے ذمہ ہو اور وہ ثبوت زلائے تو قسم مدعا علیہ پر مصالحت جائز ہو لیکن ایسی کہ جس سے حلال حرام اور حرام حلال نہ ہونے پائے جو فیصلہ تم نے کیا ہے خود کرنے سے اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر ڈالو جس معاملہ میں خلیجان ہو اور وہ کتاب سنت میں نہ ملے تو خوب غور کرو اس کے نظائر کو دیکھو۔ پھر انھی پر قیاس کر لو عدلی کو ثبوت کے لئے ایک مدت معینہ کی مہلت دو۔ اگر وہ ثبوت لائے تو اس کا حق دلا دو ورنہ کہا ہے خلاف فیصلہ کرو تمام مسلمان ایک دوسرے پر شہادت کے لئے قابل اعتبار ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے عد شرعی میں درے کھائے ہوں یا جھوٹی شہادت میں ان کا تجربہ ہو چکا ہو یا دانا اور درانت کے معاملہ میں مشتبہ ہوں۔)

اس مکتوب کو عام طور پر اس عہد کے قاضیوں نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ کے قاضی زید بن ثابت مقرر ہوئے اور وہاں دارالافتا بنایا گیا اس سے پہلے بیشتر مسجد میں مقدمات فیصلہ کئے جاتے تھے۔

فوج

خلیفہ اول کے عہد میں کل فوج رضا کار تھی نہ ان کے نام کسی دفتر میں مندرج تھے نہ ان کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ صرف مال غنیمت کے چار حصے ملتے تھے۔ امراء لشکر اسی میں سے حصہ رسدی کے مطابق ہر سپاہی کو تقسیم کرتے تھے۔ جو شخص کوئی نمایاں کام کرتا اس کو خاص انعام بھی دیا جاتا علاوہ بریں جو مجاہد کسی کافر کو قتل کرتا اس کو مقتول کا ساز و سامان ملتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں فوج کا دفتر مرتب کرایا اور بیت المال سے مجاہدین کی تنخواہ مقرر کی۔ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف رکھی گئیں۔ طبقہ اول میں اہل بدر

تھے جن کی تنخواہیں سالانہ پانچ ہزار درہم تھیں حضرت عمر بھی چونکہ بدری تھے۔ اس لئے یہی تنخواہ ان کی بھی تھی پھر شتر کا جنگ احد تھے جو چار ہزار درہم پاتے تھے اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہوتے ہوتے معمولی سپاہی کی تنخواہ دوسو سے تین سو درہم سالانہ تک تھی تنخواہوں میں اضافے بھی ہوتے تھے۔

مجاہدین کے اہل و عیال کی بھی تنخواہیں مقرر تھیں اور ان میں بھی مراتب کے لحاظ سے اختلاف تھا البتہ غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں تھا جس طبقہ کا غلام ہوتا اسی طبقہ کے آقاؤں کی تنخواہ اس کو بھی دی جاتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں یہ اختلاف اٹھا دیا گیا اور کل مجاہدین کی تنخواہ خدادادہ کسی طبقہ کے ہوں برابر کر دی گئی۔

شتر کا جنگ احد تھے جو چار ہزار گھوڑے ہمیشہ تیار رہتے تھے کہ فوری ضروریات پر رسالے مرتب ہو سکیں سرحدوں پر خاص کر شام اور مصر کے سواحل پر حفاظت کے لئے فوجی دستے رہتے تھے جو بیشتر اس نواح کے صدر مقام سے باری باری بھیجے جاتے تھے سپاہیوں کو بقدم ضرورت سامان خوراک دیا جاتا تھا اور چھاونیوں میں رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔

فوج میں تمام عربی قبائل کے لوگوں کے نام مندرج کئے گئے تھے ان کے علاوہ دیگر اقوام کے مسلمانوں کے نام بھی مندرج ہوتے تھے۔ ہر دس آدمیوں پر ایک عریف دہتا تھا جو ان کی شناخت رکھتا تھا اور ان کو تنخواہ دلاتا تھا۔

ہر سال تقریباً تیس ہزار جدید فوج بھرتی ہوتی تھی اور یہ سارا نظام اس قدر مرتب تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ بروقت ضرورت کوئی شخص اپنے گھر بیٹھتا رہے اور ظلیفہ کو اس کا علم نہ ہو جائے حضرت عمر ایسے لوگوں کو قبیلہ کی مسجد یا مجمع عام میں کھڑا کر کے کہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے جہاد سے جان چرائی یہ سزا ان کے لئے قتل سے بھی بڑھ کر تھی کیونکہ عرب کے نزدیک بزدلی سے زیادہ کوئی

بدنامی نہیں تھی۔

فوج کے ساتھ قاضی معلوم، ترجمان اور موارچ وغیرہ بھی رکھے جاتے تھے نیز راستہ نکالنے اور پہل باندھنے کا سامان بھی رہتا تھا خلیفہ کا حکم تھا کہ فوج سفر میں ہو تو جمعہ کے دن ضرور قیام کرے تاکہ لوگ تازہ دم ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ ہر روز صرف اتنی ہی مسافت طے کریں کہ باندھ نہ ہونے پائیں۔ ان سپاہیوں کو جو کسی مہم پر بھیجے جاتے تھے بیشتر چار مہینے کے بعد گھرانے کے لئے ایک مدت معینہ کی رخصت ملتی تھی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہ کے مشورہ سے بحری فوج بھی تیار کی گئی اور مسلمانوں کے پاس سمندر میں ایسی قوت ہو گئی کہ کئی بار رومیوں کو شکست دی اور جزیرہ قبرص وغیرہ فتح کر لیا۔ عربوں میں جنگ کا پرانا دستور یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بندی کر کے کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک یا دو دو آدمی نکل کر لڑتے تھے اس کے بعد عام حملہ کرتے تھے پھر بھاگتے تھے اور پھر پلٹے تھے چونکہ تمدن اقوام کے مقابل میں یہ طریق جنگ کارآمد نہ تھا اس لئے حضرت خالد نے جو ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ان کے اصول جنگ اور صف آرائی کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے اس کو چھوڑ کر جنگ یرموک میں انہی کی روش کے مطابق اپنی فوجوں کو مرتب کیا۔ اس وقت سے تمام اسلامی امراء انہی اصولوں پر فوجوں کو ترتیب دینے لگے۔ پہلے مقدمہ لشکر ہوتا تھا جو جنگ شروع کرتا تھا، دائیں مہینہ بائیں میسرہ اور بیچ میں قلب جہاں سر لشکر ہوتا تھا، پیچھے ساقہ ان میں سے بھی ہر ایک حصہ مختلف دستوں میں تقسیم رہتا تھا اور ان کے الگ امراء ہوتے تھے جو سپہ سالار کے حکم کے مطابق اپنے دستہ کو حرکت میں لاتے تھے کوئی سپاہی نہ اپنی صف سے آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔

عربی امراء اپنے خطابت کی حفاظت کا خاص اہتمام رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آ پڑے اور جاسوسی کا انتظام اس قدر مکمل رکھتے تھے کہ غنیم کی کوئی بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی۔  
حاصل: حضرت عمرؓ کے عہد سے صیغہ خراج کے عمال جداگانہ مقرر کئے جانے لگے جو

رقم وصول ہوتی تھی اس سے فوج کی تنخواہ اور مہربانوں کے اخراجات ادا کیے جاتے تھے باقی دارالخلافہ میں بھی دی جاتی تھی وصول کی دو قسمیں تھیں مستقل اور غیر مستقل مستقل آمدنی خراج، زکوٰۃ اور جو یہ تھی اور غیر مستقل خدیوت اور عشور۔

خراج :- اس زمین کے لگان کا نام ہے جس کو مسلمانوں نے فتح کر کے خود وہاں کے باشندوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہو۔ یہ لگان اس زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ کبھی رقم معین کر دی جاتی تھی اور کبھی پیداوار کا کوئی حصہ لیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ :- اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی زمین پر مویشی یا نقدی وغیرہ پر لیا جاتا ہے جس کی تصریح کتب فقہ میں کر دی گئی ہے مسلمانوں کے پاس جو زمین ہوتی تھی اس پر عشر لیا جاتا تھا یعنی فصل کی پیداوار کا سو فیصد حصہ اور اگر خراجی زمین ان کے قبضہ میں آ جاتی تھی تو اس پر ان سے وہی خراجی لگان لیا جاتا تھا۔

عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن حنیف جو مساحت کے کام سے واقف تھے عراق کی پیمائش کے لئے بھیجے گئے انہوں نے کل عراق کی پیمائش کی حضرت عمرؓ نے بشخص لگان میں خود عراقی کاشتکاروں سے مشورہ لے کر لیانت وارض حنیف تشریح مقرر کی۔

جو یہ وہ رقم تھی جو اہل ذمہ سے لی جاتی تھی یہ صرف ان مردوں سے وہ مومنوں کی جاتی تھی جو ۲۰ برس سے ۵۰ برس کی عمر تک کے ہوتے تھے بشرطیکہ وہ اپاہج اور معذور نہ ہوں۔ بڑے بچے اور عورتیں اس سے مستثنیٰ تھیں۔ اس کی شرح اشخاص کی حالت کے مطابق رکھی جاتی تھی زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور کم سے کم ۱۲ درہم۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں زکوٰۃ کا نالنا خود مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا حالانکہ اس کی تحصیل خود امام کا فرض تھا۔

عشور :- مسلمان تاجر جب دوسری سلطنتوں میں اپنا مال لے جاتے تھے تو وہاں ان سے چنگی مل جاتی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس کی کیفیت سے حضرت عمر کو مطلع کیا۔ انہوں نے

حکم دیا کہ جس حساب سے غیر سلطنتیں ہزارے تاجروں سے جنگی وصول کریں اسی حساب سے تم ان کے تاجروں سے لو لیکن دو سو درہم سے کم کے مال پر کچھ نہ لیا جائے۔

زیاد بن عدیر اس صیغہ کے نگران مقرر کئے گئے۔ ایک بار قبیلہ بنی تغلبہ کا ایک لصرانی تاج گھوڑا لے کر آیا جس کی قیمت بیس ہزار درہم بھی زیاد نے اس سے ایک ہزار درہم جنگی لی۔ اسی سال دوبارہ اسی گھوڑے کو لے کر گذر آئے انہوں نے پھر ایک ہزار درہم طلب کئے اس نے کہا کہ ایک بار اس کی جنگی آپسے چکے ہیں اب ہر بار میں کہاں تک ادا کروں گا لیکن زیاد نے اس کو گزرنے نہیں دیا۔ وہ حضرت عمر کے پاس شکایت لایا۔ حج کے موقع پر مکہ میں جا کر ان سے ملا اور اپنا معاملہ سنایا انہوں نے جواب دیا کہ میں بندوبست کروں گا تغلبی نے اس کو ایک سرسری بات سمجھا۔ اور دل میں کہا کہ اب ایک ہزار درہم پھر دینا ہو گا لیکن جس وقت سرحد پر آیا تو وہاں خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا کہ جس چیز پر ایک بار عشر لے لیا جائے سال آئندہ کی اسی تاریخ تک دوبارہ اس پر کچھ نہ لیا جائے وہ اس سے اس قدر خوش ہوا کہ زیاد سے کہا کہ میں دل میں طے کر کے آیا تھا کہ ایک ہزار درہم ادا کروں گا۔ اب قرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے یہ حکم بھیجا ہے۔

مسلمانوں کے مال تجارت پر جنگی بعد از کوۃ کے رکھی گئی یعنی چالیسواں حصہ ذمیوں پر اس سے دینی اور اہل حرب پر وہ یک۔

غنیمت وہ مال ہے جو فوج کو دشمنوں سے حاصل ہوتا تھا۔ اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کئے جاتے تھے اور ایک حصہ بیت المال میں آتا تھا

اس زمانہ کی مالیہ کی کل میزان کا پتہ نہیں لگ سکا صرف عراق اور مصر کی وصولی معلوم ہوئی۔ عہد فاروقی میں عراق سے دس کروڑ ۲۰ لاکھ درہم سالانہ کی آمدنی تھی اور مصر سے ۴ کروڑ درہم کی حضرت عثمان کے زمانہ میں مصر کی وصولی میں ۲ کروڑ درہم کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اخراجات محاصل کے مطابق رکھے جاتے تھے اور خزانہ میں کوئی توفیر نہیں رہتی تھی۔

نماز:۔ اقامت صلوٰۃ خلیفہ کے فرائض میں داخل تھی۔ وہ خود نماز پڑھتا تھا یا کسی کو اپنا

نائب مقرر کر دیتا تھا ہر ہر شہر میں صرف ایک ہی جامع مسجد ہوتی تھی جس میں خلیفہ یا والی جمعہ پڑھاتا تھا بجز جامع مسجد کے دوسری مسجدوں میں منبر نہیں بنائے جاتے تھے۔

حج

اسلام کا ایک عظیم الشان رکن حج ہے جس میں حکم ہے کہ اطراف عالم سے مسلمان آکر میدان عرفات میں جمع ہوں۔

اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ چند مقررہ دنوں تک اللہ کا ذکر کریں اور اس کے نام پر قربانیاں پڑھائیں نیز آپس میں تعارف اور تعلق پڑھائیں اور ان کو یہ علم ہو کہ وہ اپنے غیر مالک کے مسلمان بھائیوں سے کیا مدد لے سکتے ہیں یا کس طرح پران کی امداد کر سکتے ہیں۔ علاوہ بیس خلیفہ و امراء ملکی اور انتظامی معاملات میں باہم مشورہ کریں اور رعایا کی شکایتیں، ضرورتیں اور خواہشیں ان کو معلوم ہوں۔ اسی طرح ہجرت میں دینی اور اخروی فائدوں کے علاوہ دنیاوی اور ملی منافع بھی بے شمار ہیں اور جو مسلمانوں کا صرف دینی و مذہبی ہی نہیں بلکہ قومی و ملی مرکز بھی ہے۔

خلافت راشدہ میں امراء و مالک حج کے موقع پر یکے میں آتے تھے بیشتر خود خلیفہ وقت امیر الحج ہوتا تھا اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آ سکتا تھا تو اپنے بجائے کسی کو قائم مقام کر کے بھیجتا تھا حضرت ابو بکر اپنے عہد خلافت میں ایک بار خود تشریف لائے تھے اور دوسری بار حضرت عثمان کو بھیجا تھا حضرت عمر اس کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ وہ ہر سال حج کو آتے رہے۔ صرف اپنی خلافت کے پہلے سال خود آ سکے تھے اس لئے عبدالرحمن بن عوف کو بھیجا تھا حضرت عثمان ہی پندرہ سال کے اپنے عہد خلافت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ رہے۔ البتہ حضرت علی اندر ول تھکڑا یا کی وجہ سے اپنے عہد خلافت میں کبھی نہ آ سکے لیکن نائب بھیجتے رہے۔

حضرت عمر کے عہد میں مسجد حرم پڑھالی گئی۔ انھوں نے بیت المقدس میں بھی مسجد تعمیر کرائی اس کے علاوہ کل ممالک اسلام میں ان کے عہد میں تقریباً چار ہزار مسجدیں بنائی گئیں اسلامی مرکزوں میں امراء اور عمان کے لئے مکانات، مذہبی چھاد بنائیں، مہمان خانے، دفاتر اور ذرا سے تعمیر سو سے

مدینہ سے مکہ تک راستہ انھوں نے درست کر لیا اور اس میں جانچا سر میں بنوا دیں۔ آپاشی اور دیگر ضروریات کے لئے عراق میں متعدد نہریں بنوائی گئیں جن میں سے نہر ابی موسیٰ اور نہر سعد خاص طور پر مشہور تھیں۔ مدینہ میں دریائے نیل کو بے میل کھدوا کر بحرِ قلزم سے ملا دیا تاکہ کشتیوں کے ذریعہ سے غلہ مدینہ تک آسکے۔ اسی قدر فاصلہ بحرِ روم اور بحرِ قلزم میں تھا۔ عمرو بن عاص والی مصر نے خواہش کی کہ ان دونوں سمندوں کو بھی ملا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ رومی کشتیاں اس راستہ سے آکر شرب پر سدا کرنے لگیں گی اجازت نہیں دی۔ ان کے حکم سے بصرہ، کوفہ، فسطاط، بوسل اور حبیروہ تیس شہر بھی آباد کئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسجد حرم اور مسجد نبویؐ میں اعزاز کیا گیا۔ مدینہ اور کوفہ وغیرہ میں سیاحت خانے قائم ہوئے اور جابجا راستے اور دریاؤں کے پل بنائے گئے۔ بلک شام میں جہازوں کی تعمیر کا کارخانہ قائم ہوا جہاں لبنان کے جنگلات سے درخت کاٹ کر پہنچائے جاتے تھے اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں۔

تعلیم۔ قرآن مجید ہر سال میں تیس سال تک تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوا۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھواتے بھی تھے اور صحابہ کو زبانی یاد بھی کرا دیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ اور سیکرہوں ایسے تھے جن کو زیادہ تر جھٹے یاد تھے یہ لوگ حفاظ اور قراء کہے جاتے تھے۔

سید کذاب کی لڑائی میں تقریباً سات سو حفاظ اور قراء شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اگر اسی طرح عالمان قرآن ختم ہوتے چلے گئے تو قرآن محفوظ کس طرح رہے گا۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ قرآن پورا ایک جگہ لکھ کر محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو کتابت ہی تھے اسی سال رمضان میں آنحضرتؐ کے ساتھ قرآن مجید کا آخری دور کر چکے تھے اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ حضرت زید نے ممتاز صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس کی تمام سورتوں کو جو متفرق صحیفوں، تختیوں، کھجور کے پتوں اور اداس کی پتلیوں پر لکھی ہوئی تھیں نہایت



اعتیاد کے ساتھ قرطاس پر لکھ کر ایک شیرازہ میں جمع کر دیا یہ مصحف حضرت ابو بکر کے پاس رکھ دیا گیا۔  
حضرت عمر کے عہد خلافت سے جا بجا معلمین مقرر کئے گئے کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔  
اور کتابت سکھلائیں بعض بعض اہل علم صحابہ قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے دیار و امصار میں  
بھیجے گئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حذیفہ بن یمان نے جو آذربجان کی لڑائی میں شریک تھے  
جب تو مسلم اہل عجم کا قرآن سنا اور ان میں قرأت کے اختلافات دیکھے تو گھبرا کر عجلت کے ساتھ  
مدینہ میں آئے اور خلیفہ سے کہا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں اختلاف پیدا کر دئے  
ہیں مجھے ڈر ہے کہ ہمیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات نہ کریں۔ ابھی وقت ہی جلد خیر لیجئے۔

حضرت عثمانؓ نے وہی مصحف جو ابو بکر کے عہد میں لکھا گیا تھا اور جس کو حضرت عمرؓ اپنی وفات  
کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالے کر گئے تھے منگا یا اور زید بن ثابتؓ  
بن زبیر سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں۔ زید بن ثابت  
کے سوا باقی تینوں شخص قریش میں سے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اگر تم لوگوں میں کسی لفظ  
کی کتابت میں اختلاف واقع ہو تو قریش کی زبان کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ یہی زبان رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اسی میں قرآن مجید اترا ہے۔ جب ان لوگوں نے متعدد نسخے لکھ لئے  
تو ہر ہر صوبے میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم لکھا کہ اسی کے موافق قرأت رکھی جائے۔

اہل نسخام المومنین حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا۔

تعلیم قرآن و سنت کا سلسلہ عہد عثمانی میں بھی بدستور بلکہ زیادتی کے ساتھ جاری ہوا  
معلمین کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ صوت اعراب کا لحاظ رکھیں، علاوہ بریں قرآن سمجھنے  
کے لئے عربی اشعار اور لغات کی بھی تعلیم دیں۔

ان کے عہد میں تفقہ قرآنی اور استنباط مسائل کا طریقہ لوگ مستند اور متاثر صحابہ سے سیکھتے تھے۔  
سکندر - عرب میں اسلام سے قبل سورتے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول کے وقت میں ہی سکے چلتے رہے۔ جب ایران فتح ہو گیا تو شاہ  
 میں حضرت عمر کے حکم سے ایرانی سکے کے نمونے پر مختلف درہم ڈھالے گئے "نقش میں تبدیلی کر دی گئی کسی پر  
 "الحمد لله" کسی پر "لا اله الا الله" کسی پر "محمد رسول الله" اور کسی پر صرف "عمر" تھا حضرت  
 عثمان کے عہد میں جو درہم ڈھالے گئے ان کا نقش "الله اکبر" تھا۔

### اشاعت اسلام

خلافت راشدہ میں عموماً ہر مسلمان تعلیم نبوی کا صحیح نمونہ اور پیکر اسلام تھا اس لئے جہاں  
 جہاں اہل اسلام پہنچتے تھے لوگ نہ صرف ان کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے بلکہ ان کے خلوص کو دیکھ کر  
 اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے جیسا کہ شام، مصر، عراق اور ایران کے باشندوں نے جب ان کے تقویٰ  
 نیکی، وفاداری، حسن معاشرت اور سب سے بڑھ کر مخلوق کی ہمدردی کو دیکھا تو دین اسلام کی خوبیوں  
 کے قائل ہو کر اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور کثرت سے مسلمان ہونے لگے۔

جنگ شام میں دمشق کا بطریق خود حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اس کو دیکھ کر جو لوگ  
 اس کے اثر میں تھے سب مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح مصر کا ایک رئیس شطا پہلے ہی سے اسلام کا  
 گرویدہ تھا جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو وہ مع دو ہزار آدمیوں کے اسلام لایا۔

عراقی زمینوں اور ایرانی مرزبانوں نے بھی تیزی سے اسلام کی طرف قدم بڑھایا۔  
 قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار ولیم ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔ جلولاہ کی فتح کے بعد وہاں کے  
 اکثر رؤساء اسلام لائے۔ حضرت عثمان کے عہد میں خراسان میں خاندان کے خاندان مسلمان  
 ہونے لگے۔ اسی طرح افریقہ میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلا۔

الغرض یہ مسلمانوں کے خلوص اور ان کے اسلامی صفات کا اثر تھا کہ جہاں جہاں  
 وہ گئے ان کو دیکھ کر لوگ اس دین حق کے نور سے منور ہوتے چلے گئے۔

تمام شد

۱۵  
وَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ ذَٰلِكَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ  
وَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ ذَٰلِكَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ



# تاریخ الامت

حصہ دوم  
خلافت راشدہ

مصنف

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب خیر چوہدری  
اُستاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مکتبہ دارالحدیث  
دہلی

قیمت

پارہ ششم ۱۰۰